© rasailojaraid.com

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۹، شمارہ ۱۸، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء

ڈاکٹر محمد رفیع الدین: شخصیت اور علمی و فکری خدمات

انجینئر نوید احمد

This is an infallible and imminent truth that the rule of a Just Islamic Order will encompass the whole Earth before the Apocalypse befalls this Earth. It is inevitable that before the political domination a philosophical and ideological domination of Islam should be achieved. The assertion about philosophical and ideological domination implies the negation of all the dogmas which are the cornerstones of all systems governing the whole world today. Proving the eminence and validity of Islamic Ideology is parallel task. AllamaIqbal initiated such a task with his famous series of lectures entitled

"Reconstruction of Religious thought in Islam" and undoubtedly Dr. Raffiuddin advanced Allama's efforts further by his own writings and lectures. With undeniable facts and his unarguable reasoning the great "reasoner" has ripped to the shreds all the philosophical and doctrinal foundations of existing political systems in today's world. The consequential iniquity and exploitation under these systems were a reason by itself to assert the fallacy of their very basis, however with his strong and literate arguments he has absolutely made it crystal-clear. Furthermore Dr. Rafi-ud-deen proved his point that only Islam's philosophical thought is the only doctrine which is capable of delivering a true impartial justice. He has truly illustrated the broad canvas of human nature and the driving force behind all human actions. According to him the real motive or an incitement to human action is not instinct or selfish desire, in fact it is a desire to set or achieve higher and higher Ideal; it is a continuous quest from good to better and then to the best. Undoubtedly the highest ideal is to seek the pleasure of Allah(SWT). It is imperative that Dr.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

Raffiuddin's literary contributions be brought to limelight in a wide range of literary circles for general and comprehensive discussions. The onus is on us and we must do the best we can to put forward all his work from all different dimensions, so that the whole world may benefit from it. This literary output Dr. Mohammad Rafiuddin, personality and Literal and Ideological contributions is small step in the same direction.

ڈاکٹر محمد رفیع الدین بلاشبہ بیسویں صدی عیسوی کے عظیم مفکر اور فلسفی تھے۔اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے حوالے سے اُنہوں نے فکرِ مغرب کی مرعوبیت کو ختم کرنے میں ایک اہم علمی کردار ادا کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ فکرِ اسلامی کو بڑے پر اعتماد اور مدلل اسلوب میں اجاگر کیا۔وہ علامہ اقبال کے ایک فکری جانشین تھے اوراُن کے فلسفہ ٔ خودی کے شارح کے طور پر مشہور ہیں ۔ اقبال شناسی کے اعتبار سے اُن کی کاوشوں کوعلمی وفکری حلقوں میں گراں قدر پذیرائی حاصل ہوئی ۔ اقبال کی طرح اُن کا تعلق بھی کشمیر سے تھا اور بلاشبہ اہلِ کشمیر کو ہمیشہ اپنے ان فرزندوں پر ناز رہے گا۔

خاندانی پس منظر:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کا سلسلۂ نسب شہاب الدین غوری کے سپہ سالار اور معتمد امیر حضرت قطب الدین شاہ صاحب تک پہنچتا ہے ۔شاہ صاحب کا نسب بعض دستیاب روایات کے مطابق محمد بن حنفیہ سے ملتا ہے جو حضرت علیؓ کی زوجہ حضرت خولہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے ۔ قطب شاہ تقریباً ۱۰۳۵ء میں ہرات سے آکر پشاور کے نواح میں رہائش پذیر ہوئے اور اس

کے بعد اُن کا خاندان کوہستان نمک میں پھیل گیا اوراُس نے اپنے آزاد قبیلے تشکیل دیئے ۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ قبائل دیگر علاقوں میں پھیل گئے ۔ ڈاکٹر رفیع الدین کے جد اعلیٰ شیخ سکندر نے ضلع گجرات میں موضع سکندر پور آباد کیا جو اُنہی کے نام سے موسوم تھا۔ یہ خاندان بعد میں کوٹ بھوانیداس (ضلع گوجرانوالہ) منتقل ہو گیا ۔اس خاندان کے اکثر بزرگ کمالاتِ علمیہ میں یکتا، مصنف اور شاعر بے بدل تھے۔ اہلِ پنجاب نے اُن کے خرمنِ علم سے خوشہ چینی کی ۔ عربی اور فارسی کی بہترین اور مستند کتابیں اُنہوں نے تصنیف کیں۔صرف ونحو،فقہ وتصوف ،فلسفہ وتفسیر میں وہ وہ موتی بکھیرے کہ جن کی چمک سے آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔ یہ مقولہ اب تک مشہور ہے کہ ’’کوٹ بھوانیداس دا بغداد ہے پنجاب دا‘‘۔(۱)

علماء وفضلاء کے اس خاندان میں سے مولوی عبداللہ المعروف حضرت مولانا غلام رسول (۱۲۲۸ھ تا ۱۲۹۱ھ) کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے ۔وہ جید عالم ،مبلغ اور شاعر تھے ۔ آپ ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے پردادا مولوی غلام محمد کے بھائی تھے بلکہ اُن کی ایک صاحبزادی بھی مولوی غلام رسول کی بہو تھیں۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ مولوی غلام رسولؒ ،ڈاکٹر رفیع الدین کے والد مولوی فقیر اللہ کے نانا تھے۔مولوی غلام رسولؒ نے علوم معرفت اور تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ پنجابی شعر وادب میں بھی خصوصی نام پیدا کیا ۔ پنجابی زبان وادب کی ہر قابلِ ذکر تاریخ میں اُن کا تذکرہ ،اُن کے نمونۂ کلام کے ساتھ موجود ہے ۔عبدالغفور قریشی نے ’’پنجابی ادب دی کہانی‘‘ میں نہ صرف مولانا غلام رسول کے پنجابی کلام کے نمونے درج کیے ہیں بلکہ اُن کو ایک ایسا آتش نوا مبلغ بھی قرار دیا ہے جن کی زبان کی تاثیر سے بے شار غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے تایا حضرت مولوی محمد حسنؒ بھی ایک بلند پایہ صوفی بزرگ تھے اور ریاست جموں وکشمیر کے بیشتر علاقوں میں اپنے زہد وتقویٰ کی بدولت مریدین کا ایک وسیع حلقہ رکھتے تھے ۔ وہ سال میں کئی بار اپنے چھوٹے بھائی مولوی فقیر اللہ (ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے والد ماجد) کے ہمراہ جموں وکشمیر کا سفر کرتے ۔ اُن کا حلقۂ ارادت وقت گزرنے کے ساتھ

© rasailojaraid.com

ساتھ بڑھتا گیا اور بالآخر اُنہوں نے اپنے آبائی وطن کوٹ بھوانیداس کو خیر باد کہا اور جموں میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ پھر جموں کے علاقہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ ڈاکٹر رفیع الدین جیسے عبقری مفکر کی ۲۴جولائی ۱۹۰۴ء کو یہاں ولادت ہوئی۔ (۲)

تعلیم:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے میٹرک اور انٹر کی سطح تک سائنس کا مطالعہ کیا۔ بی۔ اے میں اُن کے مضامین معاشیات اور عربی تھے۔ ایم۔ اے عربی ادب میں کیا۔ فارسی میں آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ بعد میں پی ایچ۔ ڈی(Ph.D) اور ڈی۔لٹ(D.Litt) کی ڈگریاں ان کو فلسفہ میں حاصل ہوئیں۔ گویا اُن کی تعلیم میں سائنس، ادب اور فلسفہ کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ جدید علوم کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے بڑی گہرائی کے ساتھ قرآن پر تدبر کیا اور دیگر دینی علوم پر دسترس حاصل کی۔ اقبال کی شاعری، فکر و فلسفہ سے اُن کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ اقبال کی فکر ہی اُن کی بیشتر تصانیف کا محرک محسوس ہوتی ہے۔ اس متنوع علمی پس منظر کی بدولت اُن کا اسلوبِ تحریر گہرا فلسفیانہ، عظیم وسعتِ فکر کا حامل اور اعلیٰ علمی سطح سے سرفراز ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے میٹرک کا امتحان ۱۹۲۰ء میں فرسٹ اور ہائی جین کے ساتھ پاس کیا۔ ایف۔ ایس۔ سی اور بی۔ اے کے بعد ۱۹۲۹ء میں اورینٹل کالج لاہور سے ایم۔ اے عربی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۰ء میں وہ آنرز ان پرشین کے امتحان میں بھی کامیاب ہوئے۔ بعد میں دورانِ ملازمت اُن کو ۱۹۴۹ء میں اُن کی فلسفیانہ تصنیف "Ideology of the Future" پر پی ایچ ڈی کی ڈگری دی گئی، جس کے ممتحن ڈاکٹر رادھا کرشنن، پروفیسر ولیم للی اور سید ظفر الحسن مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن نے اعتراف کیا کہ یہ مقالہ علمی دنیا میں ایک ٹھوس اضافہ ہے۔ پروفیسر للی نے اس کو فرائڈ، ایڈلر، کارل مارکس اور میکڈوگل کے نظریات کا حتمی ابطال قرار دیا۔ سید ظفر الحسن کی رائے یہ تھی کہ آج تک فلسفہ کی کوئی کتاب اُن کی نظر سے ایسی نہیں گزری جو اسلام کے اس قدر قریب ہو۔ ۱۹۴۹ء میں پنجاب یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ میں جب یہ کتاب ڈاکٹریٹ آف فلاسفی کی ڈگری کے لیے پیش ہوئی تو سنڈیکیٹ میں شامل بعض

حضرات نے اعتراض کیا کہ چونکہ ڈاکٹر صاحب فلسفہ میں ماسٹر کی ڈگری کے حامل نہیں ہیں، اس لیے اُنہیں فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری نہیں ملنا چاہیے۔ اُس وقت پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر، ڈاکٹر عمر حیات ملک تھے جنہوں نے اس اعتراض کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ اگر کوئی شخص فلسفہ میں ماسٹر ڈگری کا حامل ہوتے ہوئے بھی فلسفہ میں ایسی معرکۃ الآرا کتاب نہیں لکھ سکا تو ڈاکٹر صاحب کو، جنہوں نے فلسفہ میں ماسٹر ڈگری کے حامل نہ ہونے کے باوجود ایسی کتاب لکھی ہے، ڈاکٹریٹ ضرور ملنی چاہیے۔ یہ اُن کی ذہانت اور علمی بلندی کا ایک بہت بڑا اعتراف تھا۔ ۱۹۶۱ء میں فلسفۂ تعلیم پر آپ کی اعلیٰ پایہ کی تصنیف "First Principles of Education" شائع ہوئی۔ اس تصنیف پر ۱۹۶۵ء میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے آپ کو ڈی۔ لٹ (D.Litt) کی ڈگری دی گئی۔ (۳)

ملازمت اور علمی مشاغل:

۱۹۲۹ء میں ایم۔ اے (عربی) کے امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد آپ کا تقرر بحیثیت پروفیسر عربی اور اردو، سری پرتاپ سنگھ کالج، سری نگر میں ہوا۔ ۱۹۳۲ء میں آپ کو پرنس آف ویلز کالج، جموں میں پروفیسر عربی اور فارسی مقرر کیا گیا جہاں آپ ۱۹۴۶ء تک اپنے فرائض ادا کرتے رہے۔ پرنس آف ویلز کالج جموں، جہاں آپ نے اپنی ملازمت کا تقریباً ۱۴ سال کا عرصہ گزارا، آپ کے لیے کئی لحاظ سے ایک اہم دور تھا۔ اس دور میں آپ کو اپنی علمی اور انتظامی صلاحیتوں کے اظہار کا بھرپور موقع ملا۔ کالج کے اُس وقت کے پرنسپل، ایس۔ آر سوری (سیوارام سوری) بھی ان کی صلاحیتوں کے معترف تھے۔ خاص طور پر آپ کی کلاسوں میں نظم وضبط مثالی تھا۔ آپ اپنی پروقار شخصیت اور خوش لباسی کی بدولت طلبہ میں بے حد مقبول تھے۔ کالج کے سینئر سٹاف ممبر ہونے کی وجہ سے آپ علمی وادبی اور طلبہ کی دیگر سرگرمیوں کے انچارج بھی تھے۔ کالج میگزین "توی" کی نگرانی بھی آپ کی ذمہ داری تھی۔ آپ ہی کے زمانے میں قدرت اللہ شہاب اس مجلّہ کے ایڈیٹر رہے۔ قدرت اللہ شہاب اور بعد میں اُن کے چھوٹے بھائی حبیب اللہ شہاب آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ قدرت اللہ شہاب "شہاب نامہ" میں لکھتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں:

"پرنس آف ویلز کالج کے چاروں سال انگریزی کا بھوت میرے سر پر بُری طرح سوار رہا۔ اگرچہ کالج میگزین "توی" کے اردو سیکشن کی ادارات میرے سپرد تھی۔ تاہم اردو تک بھی میری رسائی بزبان انگریزی ہی ہوتی تھی"۔(۴)

پرنس آف ویلز کالج، جس کے قیام کے دوران اُن کی عملی زندگی کا جو سب سے اہم واقعہ ہمارے سامنے آتا ہے وہ ان کی تصنیف "Ideology of the Future" کی تکمیل ہے۔ جسے اُنہوں نے ۱۹۴۲ء میں مکمل کیا۔ مظفر حسین صاحب نے "دل کو تڑپاتی ہے اب تک گرمی ٔ محفل کی یاد" میں اس تصنیف سے متعلق ایک واقعہ مافوق الفطرت انداز میں بیان کیا ہے۔ یہ کتاب لکھنے سے پہلے خیالات کا ایک تندوتیز طوفان ڈاکٹر صاحب کے ذہن میں سمٹ آیا تھا۔ اس کے نتیجے میں وہ شدید علیل ہو گئے۔ ڈاکٹروں نے اعصابی بے چینی تشخیص کی۔ انہی دنوں اُن کے ایک عزیز اُن کی بیماری کا حال سن کر اُن کے پاس جموں تشریف لائے اور ایک دن سیر کے لیے ساتھ لے گئے۔ راستے میں پہاڑوں کے ایک خوش منظر گوشہ میں ایک نہایت ہی نورانی شکل کے بزرگ سے ملاقات ہوگئی۔ اُنہوں نے ڈاکٹر صاحب کو ہدایت کی کہ وہ کتاب لکھنا شروع کر دیں۔ اس مشورہ پر اُنہوں نے سکون محسوس کیا۔ گھر آکر قلم اٹھایا تو آمد کا یہ عالم تھا کہ رہوار قلم روکے نہیں رکتا تھا۔ پوری کتاب تین ہفتوں میں مکمل ہو گئی اور اُنہیں یوں محسوس ہوا جیسے کوئی بوجھ اُن کے دل سے اتر گیا ہے۔ بیماری بھی جاتی رہی اور وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو گئے۔(۵)

"Ideology of the Future" میں جس طرح سے مغربی مفکرین اور ماہرین نفسیات کے حوالے آئے ہیں اور اُن کے نظریات کا ابطال کیا گیا ہے، اس سے محسوس ہوتا ہے کہ اس تصنیف کے لیے بہت سی حوالہ جاتی کتب درکار تھیں، اُن کا غائر مطالعہ ضروری تھا، جوابی دلائل کے لیے گہرا غور و فکر لازم تھا اور پھر ترتیب و تدوین کے لیے بڑی ذہنی و عملی مشقت متقاضی تھی۔ اس کے نتیجے میں اُن کا شدید طور پر اعصابی دباؤ کا شکار ہو جانا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔

"Ideology of the Future" کو ۱۹۴۶ء میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے خرچ پر شائع کروایا۔ تقسیم ہندوستان کے وقت ہونے والے فسادات میں جہاں اور بہت کچھ برباد ہوا، وہیں اس کتاب کے جو چند سو نسخے شائع ہوئے تھے ان سے بھی چند ایک کے سوا بیشتر ضائع ہو گئے۔

۱۹۴۶ء میں ڈاکٹر رفیع الدین کو سری کرن سنگھ کالج میر پور کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ چند سال پہلے قائم ہونے والے اس کالج کے تعلیمی وتنظیمی امور کے بارے میں آپ کے ذہن میں کئی منصوبے تھے لیکن اس سے پہلے کہ ان پر پوری طرح سے عمل درآمد کیا جاتا، ملک تقسیم ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی فسادات اور قتل وغارت کا ایک خوفناک سلسلہ شروع ہو گیا۔ بہت سے دوسرے مسلمان سرکاری افسران کی طرح ڈاکٹر صاحب نے بھی پاکستان ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔ اہل خانہ کچھ عرصہ پہلے ہی گوجرانوالہ جا چکے تھے۔ ڈاکٹر صاحب بھی کسی نہ کسی طرح سے اپنی جان بچا کر پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

قیام پاکستان کے بعد علمی خدمات :

ڈاکٹر رفیع الدین کو پاکستان آنے کے بعد کچھ عرصہ تک بیروز گاری اور چند دیگر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بعدازاں مغربی پاکستان کی حکومت نے نومسلم اسکالر علامہ محمد اسد (Leopold Weiss) کی نظامت میں "ادارۂ احیاءِ ملتِ اسلامیہ" قائم کیا تو ڈاکٹر صاحب، ریسرچ آفیسر کی حیثیت سے اس کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ اسی ادارے کی ملازمت کے دوران آپ نے "پاکستان کا مستقبل" کے عنوان سے ایک مقالہ قلمبند کیا جو ایک کتابچے کی صورت میں شائع ہوا۔ ۱۹۴۸ء میں ادارۂ احیاءِ ملتِ اسلامیہ اپنے قیام کے مقاصد کی تکمیل سے پہلے ہی بعض نامعلوم وجوہات کی بنا پر بند ہو گیا اور ڈاکٹر صاحب ایک بار پھر مشکلات کا شکار ہو گئے۔(۶)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین اس کے بعد ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ (Institute of Islamic Culture) سے وابستہ ہو گئے۔ اس ادارے کی بنیاد ۱۹۵۰ء میں خلیفہ عبدالحکیم نے گورنر جنرل غلام محمد کے مشورہ سے رکھی تھی اور وہی اس ادارے کے پہلے اکیڈمک ڈائریکٹر بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقرر ہوئے۔اُنہوں نے انتھک کوششوں کے ذریعہ ادارے میں نامور علمی شخصیات کو جمع کیا جن میں ڈاکٹر رفیع الدین، مولانا مظہر الدین صدیقی خواجہ عباد اللہ اختر ،مولانا محمد حنیف ندوی مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری، بشیر احمد ڈار ،رئیس احمد جعفری اور شاہد حسین رزاقی کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ یہ وہ اسکالرز تھے جنھیں وقت کے علمی وفکری رجحان، سماجی میلانات اور سیاسی صورت حال کا شعور حاصل تھا۔اس شعور کی بنیاد پر اُنہوں نے اپنی گراں قدر کاوشوں سے ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کی علمی حیثیت کو نہ صرف مستحکم کیا بلکہ اس کے وقار میں بھی اضافہ کیا۔مولانا محمد حنیف ندوی نے ماہنامہ المعارف کے فروری ۱۹۶۸ء کے شمارے میں ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ سے وابستہ شخصیات کی علمی حیثیت اور مہارت کا تجزیہ کرتے ہوئے رفقاء کے اس انتخاب کو حد درجہ موزوں قرار دیا۔ خاص طور پر ڈاکٹر رفیع الدین کے تذکرے میں لکھا:

> ’’ڈاکٹر رفیع الدین’’ آئیڈیالوجی آف دی فیوچر‘‘ لکھ کر علمی و دینی حلقوں میں اپنا اثر رسوخ قائم کر چکے تھے..... اُنہوں نے اسلام کے تعلیمی فلسفے اور اس کے منشور و دعوت کی وضاحت کو اپنے ذمے لیا‘‘۔(۷)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ میں بحیثیت ریسرچ آفیسر اعلیٰ علمی خدمات انجام دیں۔ اسی ادارے کے تحت اُنہوں نے’’ قرآن اور علم جدید‘‘، ’’روح اسلام‘‘ ، Fallacy of Marxism ’’(مارکسیت کا مغالطہ) ’’اسلام کا نظریۂ تعلیم ‘‘اور کئی دوسرے مقالات تحریر کیے۔

۱۹۵۱ء میں اقبال اکادمی پاکستان کے نام سے ایک ادارہ نیم سرکاری حیثیت میں کراچی میں قائم ہوا جسے ۱۹۶۲ء میں ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعے از سر نو منظم کیا گیا۔ جب سے یہ ادارہ ’’اقبال اکادمی پاکستان‘‘ کے نام سے لاہور میں موجودہ صورت میں مصروف کار ہے۔۱۹۵۳ء میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین کو اس ادارہ کے پہلے ڈائریکٹر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔آپ اپنی ریٹائرمنٹ تک اس ادارے کی ترقی اور فروغ کے لیے کوشاں رہے۔اسی ادارے میں رہتے ہوئے آپ نے اپنی اہم تصنیف ’’Manifesto of Islam‘‘ (منشور اسلام)مکمل کی۔ اس کے

علاوہ آپ نے فلسفۂ تعلیم پر’’ First Principles of Education ‘‘(تعلیم کے ابتدائی اصول)بھی لکھی جس پر بعد میں آپ کو پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے ڈی لٹ (D.Litt) کی ڈگری دی گئی۔’’اسلام اور سائنس‘‘ کے عنوان سے ایک اہم مقالہ بھی شائع ہوا جس کو علمی و ادبی حلقوں میں بے حد سراہا گیا۔آپ ہی کے دور نظامت میں اقبال اکادمی پاکستان کے ترجمان مجلات کے طور پر اپریل ۱۹۶۰ء میں سہ ماہی اقبال ریویو Iqbal Review (انگریزی) اور’’ اقبالیات‘‘(اردو) کا اجرا ہوا۔(۸)

ڈاکٹر رفیع الدین کو یہ احساس تھا کہ چند استثنائی مثالوں کو چھوڑ کر اقبال پر اب تک جو کام ہوا ہے وہ نہ تو علمی معیار پر پورا اترتا ہے اور نہ ہی اُس میں اقبال کے افکار کی بھرپور تشریح و توضیح کا اہتمام نظر آتا ہے۔لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اقبال کے ساتھ اپنے تمام تر عقیدت مندانہ جذبات سے بلند ہو کر اس کے افکار کا ایک منظم اور مربوط عقلی و سائنسی تجزیہ کیا جائے جو عالمی سطح پر اقبال کی حقیقی عظمت کو سامنے لانے کا ذریعہ بن سکے۔انہوں نے ۱۹۶۰ء میں لکھے جانے والے ایک مقالے بعنوان’ Scientific Exposition of Iqbal‘ ’’میں اپنا موقف پیش کیا کہ اقبال کے فلسفۂ خودی کی روشنی میں جدید علوم کے جائزے پر مبنی ایک علمی منصوبے پر کام کا آغاز کیا جانا چاہیے جس کے تحت سیاسیات،تعلیمات، اخلاقیات،نفسیات اور تاریخ کے بنیادی اصولوں کو زیر بحث لایا جاسکے۔ ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا کہ یہ منصوبہ ملک کے نامور اہل علم کے تعاون سے اقبال اکادمی پاکستان جیسے ادارے کی نگرانی میں ہی موثر طور پر پایہ تکمیل تک پہنچ سکتا ہے(۹)۔مذکورہ مقاصد کے حصول کے لیے آپ نے’’اقبال ریویو ‘‘اور’’اقبالیات‘‘ میں نہ صرف خود علمی وفکری مقالات لکھے بلکہ دیگر اہل علم سے بھی قلمی تعاون حاصل کیا جس سے مجلات کا ایک بلند علمی وفکری معیار قائم ہوا۔

حکومت پاکستان اور پنجاب یونیورسٹی کے اشتراک سے ۲۹ دسمبر ۱۹۵۷ء سے ۸جنوری ۱۹۵۸ء تک لاہور میں انٹرنیشنل اسلامک کولیکیم کا انعقاد بھی ایک تاریخی علمی واقعہ ہے جس میں تقریباً چالیس ممالک کے نامور سکالرز نے شرکت کی اور اسلام اور ثقافت کے حوالے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اپنے تحقیقی مقالات پیش کیے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین کو بھی بین الاقوامی اسلامی مذاکرے میں شرکت کا اعزاز حاصل ہوا۔ یہ کلویم دنیا میں اپنی قسم کا ایسا دوسرا علمی اجتماع تھا۔ اس سے قبل ۱۹۵۳ء میں امریکہ میں کانگریس لائبریری اور پرنسٹن یونیورسٹی کے اشتراک سے ایک کلویم منعقد ہو چکا تھا لیکن اپنے موضوعات کی وسعت اور نامور علمی شخصیات کی تعداد کی بدولت لاہور میں منعقدہ کلویم بلاشبہ بے مثال تھا۔ کلویم میں مسلم سکالرز کے ساتھ ساتھ دیگر ادیان اور عقائد سے تعلق رکھنے والے محققین و مستشرقین بھی شریک ہوئے جن میں شاہ محمد ارشاد، محمد موسیٰ شفیق (افغانستان)، سید عبدالحمید خطیب، شیخ احمد جمال (سعودی عرب)، سید محمد یوسف (سیلون)، محمد عبدالمعز نصر، پروفیسر عثمان امین، محمد ابوزہرا، یحییٰ الخشاب، محمد حب اللہ، محمد عبداللہ العربی، مہدی عالم، امین عثیمی، علی حسن عبدالقادر، عبدالوہاب عزام (مصر)، تنکو محمد ی اشدیقی، انور معدو، عبدالقاہر، عبدالمالک کریم (انڈونیشیا)، محمود شہابی، صادق شفق، محمد معین، سید محمد شیخ الاسلام، ابوالفضل حاذقی، صفا خلوصی (ایران)، عبدالغفور شیخ (کینیا)، نہاد القاسم شیخ محمد بہجت البیطار، عمر بہا الدین الامیری، احمد سمان، مصطفیٰ الزرقا، محمد المبارک (شام)، شیخ محمد مقصر (مراکش)، علی حبیب، کامل السید (سوڈان)، پروفیسر ڈاکٹر اسحاق موسیٰ الحسینی (فلسطین)، ڈاکٹر فاضل الجمالی، ڈاکٹر عبدالستار فوزی، ڈاکٹر مصطفیٰ جواد (عراق)، فواد کیرولا، محمد فواد سیزگین (ترکی)، پروفیسر ولفریڈ کینٹ ویل سمتھ (کینیڈا)، الیگزنڈر بوسانی (اٹلی)، روڈی پیرٹ، برتھولڈ سپولر (جرمنی)، پروفیسر لوئی مائی سینون (فرانس)، بنیمن ہاوزدی محمد علی چنگ چی (چین)، ڈاکٹر جی ڈبلیو جے ڈروپر، ڈاکٹر جوزف شاخت (ہالینڈ)، الحاج عبدالغفار مرکی (فلپائن)، ڈسلو گارشیا گومز (سپین)، جی۔ای وان گرون باہم، رچرڈ ایٹنگھسن، کارلینڈ ہاکلو، رچرڈ نیلسن فرائی (امریکہ)، مس این۔کے۔ایس لیمٹسن اور برنارڈ لیوس (برطانیہ) کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ جبکہ ہمسایہ ملک بھارت سے مولانا عبدالماجد دریاآبادی، ڈاکٹر میر ولی الدین اور ڈاکٹر زبیر صدیقی شریک ہوئے۔ میزبان ملک پاکستان سے ڈاکٹر محمود حسین، مظہر الدین صدیقی، ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، مولانا امین احسن اصلاحی، جسٹس ایس۔ اے رحمٰن، ڈاکٹر محمد داؤد رہبر، ڈاکٹر

اے ایچ ضیائی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن، علامہ رشید ترابی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، ڈاکٹر عمر داؤد پوتا، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، علامہ غلام احمد پرویز، بیگم ریحانہ آصف اسلام، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، علامہ علاؤالدین صدیقی، پروفیسر قاضی محمد اسلم اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے اسلامی ثقافت کے مختلف پہلوؤں پر اپنے مقالات پڑھے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے مقالے کا عنوان تھا۔

The Potential Contribution of Islam to the world Peace

جو بین الاقوامی مذاکرے کی آخری نشست میں پڑھا گیا۔ اس کا ماحصل یہ تھا کہ امن عالم کے قیام میں اسلام کا کردار اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اسلامی تعلیمات کی حقانیت اور صداقت کی بدولت ہی نسل انسانی کو ایک وحدت میں پرویا جا سکتا ہے جو مستقل اور پائیدار امن کی ضمانت ہے۔ مذاکرے میں پڑھے جانے جانے والے مقالات کو پنجاب یونیورسٹی لاہور نے ۱۹۶۰ء میں

"International Islamic Colloquium Papers

(Dec 29,1957- Jan 8,1958)"

کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع کیا(۱۰)۔ ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کے مقالہ کو اس مجموعہ میں صفحہ ۲۲۵ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۹۷۷ء میں جشنِ اقبال صدی کے موقع پر پنجاب یونیورسٹی لاہور میں اقبال چیئر کے قیام کی منظوری دی گئی۔ اس چیئر کے قیام کی تجویز ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے ڈائریکٹر اقبال اکادمی پاکستان کی حیثیت سے ۱۹۶۲ء میں پیش کی تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کے ساتھ ہونے والی اپنی خط و کتابت میں اس مسئلے کے دیگر اہم پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی تھی۔ انہوں نے زور دیا تھا کہ اقبال کا شہر لاہور اور پنجاب یونیورسٹی کے ساتھ جو گہرا تعلق رہا تھا اس کے پیش نظر پنجاب یونیورسٹی ہی اقبال چیئر کے لیے موزوں ترین درسگاہ ہو سکتی ہے۔ اس تجویز پر ان کی زندگی میں تو عملدرآمد نہ ہو سکا البتہ اس سلسلے میں انہوں نے اقبال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ایک سچے اور پر جوش عقیدت مند کی حیثیت سے جو سعی کی وہ لائق تحسین ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین اپنی مدت ملازمت پوری کرنے کے بعد ۱۰ اپریل ۱۹۶۵ء کو ڈائریکٹر اقبال اکادمی پاکستان کی حیثیت سے ریٹائر ہو گئے۔ اگرچہ ڈاکٹر صاحب کو خالصتاً تین سالہ کنٹریکٹ کی بنیاد پر اس عہدے کے لیے منتخب کیا گیا تھا لیکن آپ کی عمدہ کارکردگی کی بدولت مسلسل چار بار آپ کے کنٹریکٹ میں توسیع (Extension) کی جاتی رہی اور آپ بارہ برس تک اس منصب پر فائز رہے۔ اقبال اکادمی پاکستان کے پہلے ڈائریکٹر کے طور پر آپ نے اس کو ایک فعال علمی ادارہ بنانے کے لیے جو کوششیں سرانجام دیں ان کا ہمیشہ اعتراف کیا جاتا رہے گا۔

آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس کا قیام:

ڈاکٹر رفیع الدین اسلامی اقدار کو پھر سے اجاگر کرنے اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے حوالے سے نظام تعلیم میں اصلاحات کو بنیادی اہمیت دیتے تھے۔ اصول تعلیم اور بالخصوص اسلامی تعلیم ہمیشہ اُن کی تحقیق و تجسس کے اہم موضوعات رہے۔ اسی اعتبار سے ان کی سب سے اہم کاوش "First Priciples of Education" ہے۔ اقبال اکادمی پاکستان سے ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے خود کو مکمل طور پر تعلیمی مقاصد کے لیے وقف کر دیا۔ "آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس" کے قیام کو انہی مقاصد کے حصول کا ذریعہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس ادارے کے قیام سے کچھ پہلے مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام لکھے گئے خط میں ڈاکٹر رفیع الدین نے تفصیل سے ان مقاصد پر روشنی ڈالی ہے جن کے حصول کے لیے وہ کوشاں تھے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"جب میں نے اسلامی فلسفہ تعلیم پر اپنا ڈی۔لٹ کا تھیسس مکمل کیا تھا تو میرا خیال تھا کہ میں نے کچھ تجاویز پیش کی ہیں جن پر ضرور عمل ہو گا لیکن میں نے دیکھا کہ ہماری قوم مغرب کی تقلید میں اتنی آگے نکل گئی ہے اور اپنے آپ کو اس قدر فراموش کر چکی ہے کہ فقط کتابوں میں بتانے سے کہ اسلام کے مقاصد کس قسم کے نظام تعلیم کا تقاضا کرتے

ہیں یا یہ کہنے سے کہ خالق عالم خدا کا تصور اور سائنس آپس میں لازم و ملزوم ہیں، کسی کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی۔ لہٰذا اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اسلامی نظام تعلیم کا ایک نمونہ عملاً پیش کر کے بتایا جائے کہ اسلامی نظام تعلیم یہ ہوتا ہے اور سائنس کی کتابوں کو نئے سرے سے لکھ کر اور پڑھا کر ثابت کیا جائے اور آنکھوں سے دکھایا جائے کہ اگر خدا کا عقیدہ سائنس کے اندر اپنے مقام پر آ جائے تو سائنس بگڑتی نہیں بلکہ سنورتی اور ترقی کرتی ہے"(۱۱)۔

۷ اگست ۱۹۶۶ء کو ڈاکٹر رفیع الدین صاحب نے اپنے چند ہم خیال رفقاء کے ساتھ سیالکوٹ میں اسلامک ایجوکیشن کانگریس کی بنیاد رکھی۔ افتتاحی اجلاس میں متفقہ طور پر پروفیسر نصیر الدین کو صدر اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین کو ڈائریکٹر (اکیڈمک اینڈ ایڈمنسٹریٹو) کے طور پر منتخب کیا گیا۔ کانگریس کے ایک خصوصی اجلاس منعقدہ ۲۳ دسمبر ۱۹۶۶ء کو ایک قرارداد کے ذریعے اسلامک ایجوکیشن کانگریس کو "آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس" کا نام دے دیا گیا جو آج تک برقرار چلا آ رہا ہے۔

آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس کے قیام کا بنیادی مقصد علوم جدیدہ کی اسلامی تشکیل تھا جس کی رو سے یونیورسٹی کی سطح تک کے نصاب کو از سر نو اس طرح سے مرتب کرنے کی ضرورت تھی کہ تصور توحید اس کا مرکز و محور قرار پائے۔ ڈاکٹر رفیع الدین نے مولانا ابوالحسن علی ندوی کے نام ایک طویل خط میں اپنے قائم کردہ ادارے کے بارے میں تفصیلات بیان کی ہیں(۱۲)۔ ان تفصیلات کا ماحصل یہ ہے کہ جب تک توحید کا عقیدہ جیسا کہ قرآن حکیم نے اسے پیش کیا ہے عالم اسلام کی جدید یونیورسٹیوں کی تعلیم کا روح رواں نہ بن جائے اس وقت تک اُمت مسلمہ نہ اپنے آپ کو پا سکتی ہے اور نہ ہی دنیا میں توحید کے عقیدے کی بنا پر امن و اتحاد برپا کرنے کا عظیم الشان کردار ادا کر سکتی ہے۔ چنانچہ کچھ مخلص اور ذی حیثیت رفقا کے ساتھ مل کر All Pakistan Islamic Education Congress قائم کی گئی ہے جس کے منظور شدہ دستور کے مطابق یہ ادارہ دو مرحلوں میں اپنا کام سرانجام دے گا۔ پہلے مرحلے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمام سائنسی علوم میں انٹرمیڈیٹ اور ڈگری کے امتحانات کی نصابی کتابیں اس طرح سے مرتب کرے گا کہ خدا کا تصور ان کے مواد کا مرکزی خیال یا تنظیمی اصول بن جائے گا اور دوسرے مرحلے میں ان نصابات کی تدریس کے اہتمام کے لیے ایک یونیورسٹی بنائی جائے گی جس کا تعلیمی ماحول نصابی روح سے ہم آہنگ ہوگا۔ کانگریس کے مقاصد کے حصول کے لیے ڈاکٹر رفیع الدین کے ذہن میں ''The Holy Quran University of Scinces'' کا ایک خاکہ بھی تھا جس پر وہ مسلسل غور وفکر کرتے رہے۔

کانگریس کے پہلے چھ اجلاس سیالکوٹ ہی میں صوفی محمد اشرف کی رہائش گاہ پر منعقد ہوئے۔ البتہ ساتواں اجلاس مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۶۶ء کو ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی رہائش گاہ واقع چوبرجی پارک لاہور میں منعقد ہوا جس کے بعد سے لاہور کانگریس کا مستقل مرکز بن گیا۔ دسمبر ۱۹۶۶ء کے اجلاس ہی میں ملک خدا بخش بچہ کو جو کہ اس وقت حکومت مغربی پاکستان میں وزیر تعلیم کے منصب پر فائز تھے آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس کا صدر منتخب کرلیا گیا۔ ملک خدا بخش بچہ ڈاکٹر صاحب کی اعلیٰ صلاحیتوں کے معترف تھے اور جانتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب جن نظریات کا پرچار کرتے ہیں وہ محض کتابی نہیں بلکہ وہ ان کو عملی جامہ پہنانے کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور ہیں۔ اپنے ایک مضمون میں وہ لکھتے ہیں:

''انہوں (ڈاکٹر رفیع الدین) نے آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس کی داغ بیل ڈالی۔ میرے بارے میں ان کا جو حسن ظن تھا اس کی وجہ سے انہوں نے مجھے اس کانگریس کی صدارت کی پیشکش کی اور آخر ان کے خلوص، محبت اور جذبہ فکر وعمل نے مجھے یہ پیشکش قبول کرنے پر مجبور کردیا''(۱۳)۔

کانگریس کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے لکھا:

''کانگریس کے پروگرام میں اعلیٰ سطح پر ایک یونیورسٹی ''The Holy Quran University of Sciences'' کا قیام عمل میں لانا تھا جہاں سائنس کے طالب علموں کو اس حقیقت سے روشناس کرایا جاسکے کہ کائنات میں جو وحدت تنظیم، سلیقہ، حسن

ہم آہنگی اور نظم ونسق پایا جاتا ہے وہ محض حادثاتی طور پر نہیں بلکہ یہ سب رب العزت کے تخلیقی فعل کے شواہد ہیں اور ان کا مقصد کائنات کی ہر شے اور بحیثیت کلی تمام کائنات کی بتدریج تکمیل و ربوبیت ہے''(۱۴)۔

کئی سالوں تک کانگریس کے اجلاس ملک خدا بخش بچہ صاحب کی رہائش گاہ پر منعقد ہوتے رہے۔ آخر کار چوہدری مظفر حسین نے ۷۔ فرینڈز کالونی ملتان روڈ لاہور پر واقع اپنی وسیع وعریض رہائش گاہ کا ایک حصہ آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس کے دفتر اور لائبریری کے لیے وقف کردیا۔

۱۹۶۸ء کے آغاز میں آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس نے ادارے کا ترجمان علمی مجلّہ دوماہی ''Islamic Education'' (اردو۔انگریزی) جاری کیا جس کے پہلے مدیر خود ڈاکٹر محمد رفیع الدین تھے۔ انہوں نے خود بھی اس مجلّے کے لیے مقالات لکھے اور دیگر اہل قلم دانشوروں کو بھی اس کے دائرے میں شامل کیا۔ بعد میں ۱۹۷۴ء سے ۱۹۷۷ء تک ''اسلامی تعلیم'' اردو مجلّے کے طور پر علیحدہ شائع ہوا جس کے ہر شمارے میں یہ وضاحت بھی شائع ہوتی رہی کہ کانگریس کے تمام تحقیقی، تصنیفی اور انتظامی کام کو منظم کرنے کے لیے دو دوماہی جریدے ''اسلامی تعلیم'' اردو زبان میں اور ''اسلامک ایجوکیشن'' انگریزی زبان میں شائع کیے جاتے ہیں۔ ان میں ایسے بلند پایہ معیاری اور تحقیقی مضامین پیش کیے جاتے ہیں جن کا تعلق طبیعات، کیمیا، فلکیات، ارضیات، حجریات، حیاتیات، نباتیات، انفرادی نفسیات، اجتماعی نفسیات، فلسفہ تعلیم، فلسفہ معاشیات، فلسفہ، قانون اور فلسفہ، تاریخ وغیرہ سے ہو۔ مضامین و مقالات کا مرکزی نکتہ یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ آفاق وانفس میں جو حیرت انگیز نظم وضبط اور مقصدیت پائی جاتی ہے اس کا سرچشمہ خدا کی قوت وحکمت اور تدبیر و ربوبیت ہے۔

دوماہی ''اسلامی تعلیم'' اور ''اسلامک ایجوکیشن'' جناب اے۔ کے بروہی، سید ظفر الحسن، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، عبدالحمید کمالی، منظور احمد عباسی، ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، حافظ عباد اللہ فاروقی، ڈاکٹر سید عبداللہ، پروفیسر خالد علوی، ڈاکٹر محمد ریاض، ڈاکٹر رحیم بخش شاہین، افضال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسین قادری، پروفیسر محمد منور، کلیم صدیقی، مظفر حسین، ڈاکٹر ابصار احمد اور دوسرے نامور دانشوروں کی علمی و تحقیقی تحریروں سے مزین ہوتے رہے۔

کانگریس کے زیرِ اہتمام ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے انگریزی مضامین کا ایک مجموعہ" Facts of Islamic world view "،قرآن اور علم جدید اور حکمت اقبال دوسرا ایڈیشن (بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے اشتراک سے) شائع ہوئے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، سید اللہ بخش، ڈاکٹر رحیم بخش شاہین، ڈاکٹر محمد ریاض، مظفر حسین اور محمد اکرم خان کی تصانیف بھی شائع ہوئیں۔

آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس نے اپنے اغراض و مقاصد سے ہم آہنگ متعدد قومی اور بین الاقوامی اداروں سے قریبی روابط بھی قائم کیے جن میں انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، اسلامک فاؤنڈیشن برائے سائنسی و ٹکنیکی ترقی جدہ، اسلامی سائنسی تعلیمی اور ثقافتی ادارہ رباط (مراکش)، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ واشنگٹن (امریکہ) اور اسلامک فاؤنڈیشن برطانیہ شامل ہیں۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے "اسلامی تعلیم" اور "اسلامک ایجوکیشن" کے علاوہ "حکمتِ قرآن" کے نام سے ایک اور ماہنامہ کانگریس کی طرف سے شائع کرنے کے لیے ڈکلریشن حاصل کیا تھا لیکن ان کی وفات کے بعد اس کے چند شمارے ہی شائع ہو سکے اور بعد میں ڈاکٹر اسرار احمد کی درخواست پر "حکمتِ قرآن" مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی جانب سے باقاعدہ شائع ہونے لگا اور اس کی اشاعت آج تک جاری ہے(۱۴)۔

ازدواجی زندگی:

ڈاکٹر رفیع الدین کی شادی ۱۹۳۹ء میں اپنے ایک قریبی عزیز مولوی ضیاء الدین کی صاحبزادی شریفہ بیگم سے ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب کے صاحبزادے صلاح الدین محمود اپنی والدہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ صوم وصلوٰۃ کی پابند اور شرعی پردہ کا اہتمام کرتی تھیں۔ اُنہوں نے اپنی زندگی ڈاکٹر صاحب کی خدمت کے لیے وقف کردی تھی۔ اُن کا انتقال ۲۸ اگست ۱۹۹۳ء

کو کراچی میں ہوا۔ ڈاکٹر رفیع الدین کو اللہ نے چار بیٹے اور تین بیٹیاں عطا کیں۔ ایک بیٹے صلاح الدین محمود نے اپنے والد، ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی تصنیف "روح اسلام" کا " The Essence of Islam" کے عنوان سے اور دوسری تصنیف "قرآن اور علم جدید" کا "Islam & Modern Knowledge" کے عنوان سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے علمی کام کی نشر واشاعت کے لیے "رفیع الدین فاؤنڈیشن" بھی قائم کی ہے۔ ایک دوسرے بیٹے شجاع الدین نے ڈاکٹر صاحب کی وفات کے بعد ان کے بارے میں چند مضامین قلمبند کیے تھے جو مختلف جرائد میں شائع ہوئے۔ ان مضامین کے مطالعہ سے ڈاکٹر صاحب کے معمولات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی حادثاتی موت:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب کی وفات کراچی میں ایک سڑک کے حادثہ میں ہوئی۔ اپنی وفات سے چند ماہ پیشتر وہ اپنی آخری تصنیف "حکمتِ اقبال" مکمل کر چکے تھے۔ اس کی اشاعتِ دوم میں چند مزید ابواب کا اضافہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک باب کا عنوان انہوں نے "خودی اور موت" طے کر لیا تھا۔ اس ضمن میں انہوں نے اپنے ایک رفیقِ کار چوہدری مظفر حسین کو کچھ ہدایات بھی دی تھیں۔ البتہ وہ اپنے اہل خانہ اور اپنے بعض قریبی دوستوں سے بیان کرتے تھے کہ اب مجھے Inspiration بالکل نہیں ہوتا، شاید دنیا میں میرا کام مکمل ہو چکا ہے(۱۵)۔ ۱۹۹۶ء میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد نے آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس لاہور کے اشتراک سے "حکمتِ اقبال" کا دوسرا ایڈیشن بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا لیکن اس میں اضافہ کی ڈاکٹر صاحب کی خواہش پوری نہ ہوسکی۔

وہ ۲۸ نومبر ۱۹۶۹ء کو اپنے صاحبزادے عبدالسلام کی خوش دامن کی وفات پر تعزیت کے لیے کراچی پہنچے۔ اگلے روز مورخہ ۲۹ نومبر کو وہ تعزیت سے فارغ ہوکر اپنی صاحبزادی کے ہاں جانے کے لیے رکشہ میں سوار ہوئے۔ لارنس روڈ پر سامنے سے آنے والی ایک تیز رفتار بس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکشہ کے ساتھ ٹکرائی۔ اس خوفناک تصادم میں ڈاکٹر صاحب موقع ہی پر جاں بحق ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!۔وہ بری طرح کچلے گئے۔ان کی جیب میں موجود کچھ کاغذات کی مدد سے ان کی شناخت ممکن ہو سکی۔اسی رات ڈاکٹر صاحب کا جسد خاکی پہلے بذریعہ طیارہ لاہور لایا گیا جہاں سے سڑک کے راستے ان کی میت کو سیالکوٹ لے جایا گیا۔مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۶۹ء کو ان کی وصیت کے مطابق انہیں قبرستان حکیم خادم علی (سیالکوٹ) میں اُن کے والد ماجد کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا(۱۶)۔

سیرت و کردار:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی زندگی کا اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے ، ان کے تعلیمی وتدریسی مراحل کو دیکھا جائے ، ان کی علمی وتحقیقی کاوشوں کو پرکھا جائے ، اور اپنے تعلیمی نظریات کی عملی صورت گری کے لیے انہوں نے جو جدوجہد کی ، اس کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ ان کی زندگی ایک ایسے عالم اور معلم کی زندگی تھی جو علم کی تلاش اور جستجو سے عبارت تھی۔ انہوں نے تمام عمر ذاتی مفادات اور خواہشات حتیٰ کہ افراد اور اداروں کی بے جا مخالفت کو بھی اپنے علمی منصوبوں کے راستے میں رکاوٹ بننے نہیں دیا اور زندگی کی آخری سانسوں تک اپنے اعلیٰ آدرشوں اور مقاصد کے لیے کوشاں رہے۔ ان کی سیرت کا یہ وہ پہلو ہے جس پر دو آراء نہیں ہو سکتیں اور جس کی گواہی ان کے معاصرین نے بھی دی ہے جن میں سید ابوالاعلیٰ مودودی ، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا ابوالحسن ندوی، ڈاکٹر اسرار احمد اور دیگر اصحاب شامل ہیں ۔ ملک خدا بخش بُچہ کا شمار ڈاکٹر مرحوم کے انتہائی قریبی رفقا میں ہوتا تھا۔ اُنہوں نے اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے اپنے تعزیتی کالم میں لکھا:

> ''ڈاکٹر رفیع الدین کی اندوہناک موت سے علمی دنیا میں ایک خلاء پیدا ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب ایک نہایت محنتی انتھک اور ٹھوس کام کرنے والے درویش صفت انسان تھے۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور ملت اسلامیہ پاکستان کی محبت کی ایک شمع روشن کر رکھی تھی جس کا شعلہ یقین

> زندگی بھر ضوبار رہا''(۱۷)۔

ڈاکٹر اسرار احمد، ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے آخری چند سالوں میں ان کے بہت قریب رہے۔ اپنے ایک مضمون میں وہ چوہدری مظفر حسین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''ایوب خان کے دور حکومت میں مغربی پاکستان کی حکومت کے ایک اہم وزیر ملک خدا بخش بُچہ نے ان سے کہا کہ کسی ایسے شخص کو تلاش کرو جو نظام تعلیم کو اسلامی رخ پر تبدیل کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو لیکن اس پر جماعت اسلامی کی چھاپ بھی نہ ہو۔ چوہدری صاحب، مولانا مودودی کے نیاز مندوں میں سے تھے۔ اُنہوں نے یہ مسئلہ مولانا مرحوم کے سامنے بیان کیا تو اُن کا کہنا تھا کہ بغیر ایک لمحے کے توقف کے مولانا نے فوراً ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب کا نام لیا''(۱۸)۔

ڈاکٹر رفیع الدین نے اپنے علمی کام سے نہ صرف ملک کے اندر ایک احترام کا مقام حاصل کیا بلکہ بیرون ملک بھی ان کے کام کا چرچا ہوا۔ عالم اسلام کی نامور دینی شخصیت، مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ڈاکٹر رفیع الدین کی تحریروں سے رہنمائی حاصل کرنے کا اعتراف اس طرح کیا:

> ''۱۹۵۸ء۔۱۹۵۹ء میں ہمارے دوست سعید رمضان جو ''المسلمون'' رسالہ دمشق سے نکال رہے تھے ، ڈاکٹریٹ کرنے کے لیے جرمنی چلے گئے ۔ اُنہوں نے مجھ سے خواہش کی کہ ان کی غیر موجودگی میں ''المسلمون'' کا اداریہ لکھ دیا کرو۔ میں نے کئی مہینے اس کی تعمیل کی ۔ اس سلسلہ میں میرا پہلا مضمون ''ردۃ جدیدۃ'' کے عنوان سے تھا جس میں ، میں نے عالم اسلام میں ایک نئے قسم کے ارتداد کی نشاندہی کی ۔ یہ وہ ارتداد ہے جو مشرق اسلامی پر یورپ کی سیاسی وتہذیبی تاخت کے پیچھے پیچھے آیا ہے اور سب سے عظیم ارتداد ہے جو عہد رسالت سے لے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ آج تک کی اسلامی تاریخ میں رونما ہوا ہے۔ یہ دینی لادینیت ہے جو مسلمان تعلیم یافتہ طبقہ کے بے شمار افراد کو اپنی گرفت میں لے چکا ہے ...... دراصل اس خیال کی بنیاد اور اس مسئلہ کی طرف توجہ فاضل گرامی ڈاکٹر رفیع الدین صاحب مرحوم کے ایک مضمون سے ہوئی تھی، میں نے یہ بنیادی تصور لے کر اس کو اسی مضمون میں شرح وبسط کے ساتھ لکھا "(۱۹)۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے نہ صرف "معاصرین" میں ڈاکٹر رفیع الدین کو جگہ دی بلکہ ان کے ساتھ ہونے والی اپنی ملاقات کو بھی ہمیشہ یاد رکھا:

"۱۹۵۵ء میں کراچی میں ملاقات ہوئی اور دل کرتی بڑا خوش ہوا کہ کم از کم ایک آدمی تو ذہنی اور دماغی قوتوں میں فرنگیوں کا ہم پلہ ہے۔ اقبال کے بعد سہی، جو اقبال کے کام اور پیام کو دنیا تک پہنچا سکتا اور اقبال ہی کی زبان اور لہجے میں گفتگو کر سکتا ہے"(۲۰)۔

مولانا عبدالماجد دریا بادی نے ڈاکٹر رفیع الدین کی تصانیف بالخصوص "منشور اسلام" (انگریزی) اور "قرآن اور علم جدید" کی اپنے رسالہ "صدق جدید" لکھنؤ میں جن الفاظ میں تحسین کی ہے وہ ڈاکٹر رفیع الدین کے ساتھ ان کی وابستگی اور عقیدت کا واضح اظہار ہے(۲۱)۔

چوہدری مظفر حسین، ڈاکٹر رفیع الدین کے بہت قریب رہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کو نجی مسائل اور معاملات پر بات کرتے ہوئے بہت کم سنا گیا۔ دنیاوی خواہشات اور لذائذ سے دور ہمیشہ اپنی ہی دنیا میں مگن رہے۔ اپنے چار سالہ تعلقات کے دور میں، میں نے ان کی زبان سے دنیوی علائق کے بارے میں بہت کم سنا بلکہ مجھے اُن کی زندگی میں یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ اُن کے کل کتنے بچے ہیں(۲۲)۔ اُن کے صاحبزادے شجاع الدین بیان کرتے ہیں کہ اپنی تمام زندگی میں انہوں نے اپنے لیے ایک مکان تک نہ بنوایا بلکہ جب ہم ان کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے کہ یہ ایک ضروری چیز ہے تو آپ کا ایک ہی جواب ہوتا کہ اگر

میں مکان بنوانے لگ جاتا تو یہ کتابیں کون لکھتا؟ اس ضمن میں ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اقبال اکیڈمی نے آپ کو چھ ماہ کے لیے جرمنی بھیجنا چاہا تاکہ وہاں جا کر لیکچر دے سکیں مگر آپ نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس زمانے میں فلسفۂ تعلیم پر اپنی کتاب "First Principles of Education" مکمل کر رہے تھے اور اگر وہ ملک سے باہر چلے جاتے تو یہ کام تاخیر کا شکار ہو جاتا(۲۳)۔

تمام عمر علم کا حصول اور علم کا فروغ ہی اُن کی سب سے بڑی سرگرمی اور سب سے بڑا مقصد رہا۔ اُن کے صاحبزادے شجاع الدین اُن کے معمولات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ انتھک محنت کرتے اور بعض اوقات تو سارا سارا دن ہی دنیا سے بے نیاز لکھتے رہتے اور گھر کے کسی فرد سے بات تک نہ کرتے۔ امتحانوں کے دنوں میں جب میں رات کو دیر تک جاگ کر تیاری کرتا تو میں دیکھتا کہ اُن کے کمرے کی بتی رات گئے تک جلتی رہتی ہے۔ وہ آرام و آسائش کے کبھی متمنی نہ رہے۔ مکان بنوانے یا مال و اسباب جمع کرنے سے نہ کبھی اُن کی دلچسپی تھی نہ ہی یہ اُن کا مقصد تھا۔ بچوں کی طرف سے اگر ایسا کوئی تقاضا کیا بھی گیا تو اُن کو سختی سے منع کر دیا(۲۳)۔ صلاح الدین محمود کو آج بھی یاد ہے کہ گھر میں ڈاکٹر صاحب کے لیے کوئی الگ سے Study Room قسم کی کوئی جگہ نہ تھی۔ وہ چارپائی پر بیٹھ کر لکھنے کے عادی تھے۔ میں نے انہیں اگر کبھی رات کو بھی دیکھا تو مسلسل لکھتے ہوئے پایا(۲۴)۔ مظفر حسین لکھتے ہیں:

"ایک روز مجھ سے حضرت ابوذرؓ کا ذکر فرما رہے تھے کہ اُن کی موت کا ذکر آ گیا۔ فرمانے لگے کہ موت کے وقت اُن کی کل جائیداد مٹی کا ایک گھڑا اور لکڑی کا ایک پیالہ تھی جس کی طرف آپؐ کی نگاہ بے قرار بار بار فکرمندی میں لوٹتی اور بڑی پریشانی میں فرماتے "رسول کریم ﷺ نے اگر یہ پوچھ لیا کہ میرے بعد دنیا میں مصروف ہو گئے تو میرے پاس اس کا کیا جواب ہوگا"۔ بڑی مشکل سے یہ واقعہ بیان کر پائے۔ آواز بار بار گلے میں رندھ جاتی تھی، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور چہرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلدی کی طرح پیلا ہو گیا"(۲۵)۔

ڈاکٹر رفیع الدین کے حلقۂ احباب میں سے کچھ لوگ اُن کے مزاج کی سختی کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ علمی مباحث میں بھی وہ نہ صرف اپنے مؤقف پر سختی سے قائم رہتے بلکہ دوسروں کے نقطۂ نظر کو کسی بھی طور پر تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے۔ بعض اوقات اُن کے مزاج کی اسی شدت پسندی کو اُن کے منصوبوں کے راستے کی بڑی رکاوٹ بھی قرار دیا گیا اور غالباً اسی سبب سے وہ معاصرانہ چشمک کے شکار بھی ہوئے۔ ڈاکٹر مرحوم کے نیاز مند بھی اُن کے مزاج کے بارے میں پائے جانے والے اس عام تاثر کی نفی تو نہیں کرتے لیکن اس کی توجیہہ یہ کرتے ہیں کہ اُن کی اپنے عقائد و نظریات کے ساتھ وابستگی اتنی پختہ اور شدید تھی کہ وہ اس کے خلاف کچھ سن ہی نہیں سکتے تھے گو کہ علمی مباحث میں خصوصاً اختلاف رائے کو برداشت کرنا بہت ضروری ہوا کرتا ہے۔ شجاع الدین لکھتے ہیں:

"اسلام ان ماڈرن انڈیا" کے مصنف کینٹ ویل سمتھ (C.W.Smith) کے ساتھ ایک لیکچر کے دوران بھی ایسی ہی صورتحال پیش آگئی کہ اُسے بالآخر یہ کہنا پڑا کہ ڈاکٹر رفیع الدین! آپ یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ صرف آپ لوگ ہی دنیا میں زندہ رہیں گے اور باقی تمام اقوام مٹ جائیں گی۔ تو ڈاکٹر صاحب کا جواب یہ تھا کہ انسان جب قدیم دنیا میں وجود میں آیا تو وہ چاروں طرف سے دیو قامت بلاؤں میں گھرا ہوا تھا اور ان بڑے بڑے خونخوار جانوروں کے درمیان بظاہر اُس کا زندہ رہنا ناممکن نظر آتا تھا مگر ہم نے دیکھا کہ صرف انسان ہی زندہ رہا اور وہ بڑے بڑے دیو ہیکل جانور سطحِ ہستی سے مٹ گئے، وجہ یہ تھی کہ عقلی طور پر صرف انسان ہی میں زندہ رہنے کی صلاحیت تھی۔ بالکل یہی حال اس وقت مسلمانوں کا ہے۔ ہم لوگ نہتے اور کمزور ہیں اور دیگر اقوام بہت طاقتور اور مہلک ہتھیاروں سے لیس مگر صرف مسلمان قوم میں ہی نظریاتی طور پر زندہ رہنے کی صلاحیت ہے، دنیا کی کسی اور قوم میں نہیں ہے"(۲۶)۔

اسلام اور سوشلزم ایک ایسا موضوع ہے جسے ڈاکٹر مرحوم کی دکھتی رگ کہنا چاہیے۔ "حکمتِ اقبال" میں ایک طویل باب اُنہوں نے اسی مسئلہ پر رقم کیا ہے۔ دراصل اس مسئلہ پر وہ بڑے حساس اور جذباتی ہو کر سامنے آتے ہیں۔ "جن دنوں ملک میں سوشلزم کا نعرہ پہلی بار بلند ہوا تو وہ سخت دل گرفتہ اور رنجیدہ ہوئے۔ اُنہی دنوں شجاع الدین نے ایک صبح کھانے کی میز پر سوشلزم کے ایک داعی کے حق میں کچھ تعریفی کلمات کہہ دیئے۔ ڈاکٹر صاحب اس قدر رنجیدہ ہوئے کہ کھانے کی میز سے سخت ناراضی کے عالم میں اٹھ کھڑے ہوئے(۲۷)۔ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کی ملازمت کے دوران اُن کو خلیفہ عبدالحکیم جیسی شخصیت کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا لیکن اُنہوں نے کبھی اُن کے یا اُن کی کسی تحریر کے بارے میں کسی خوشگوار تاثر کا اظہار کیا ہے نہ کہیں اُن کا حوالہ دیا ہے۔ پروفیسر عثمان نے بھی لکھا ہے کہ اُن کے اور خلیفہ عبدالحکیم کے درمیان حقیقی مساوات کبھی قائم نہ ہو سکی(۲۸)۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی رہی کہ خلیفہ عبدالحکیم بھی اسلامی سوشلزم کے بارے میں لکھنے والے روشن خیالوں میں شامل تھے۔

ڈاکٹر رفیع الدین کی شخصیت اور ان کے خیالات کو سمجھنے کے لیے پروفیسر مرزا محمد منور کا ایک جملہ بہت اہم ہے جو اُنہوں نے "حکمتِ اقبال" پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

"ڈاکٹر رفیع الدین صاحب مزاجاً بھی اور عملاً بھی، شدید مذہبی آدمی تھے۔ اسلام کی حقانیت پر بھرپور یقین تھا اور اس امر پر ایک طرح سے ایمان محکم رکھتے تھے کہ ہر سائنسی اور علمی اور نظری ترقی کسی نہ کسی اعتبار سے اسی نقطے کی طرف ایک قدم ہے جسے نقطۂ توحید کہتے ہیں"(۲۹)۔

ڈاکٹر رفیع الدین علوم جدیدہ کی اسلامی تشکیل کو تعلیم کی سب سے اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے سائنسی نصابات کو نئے سرے سے مرتب کروانے کو ضروری خیال کرتے تھے۔ اسلامک ایجوکیشن کانگریس کا قیام بھی اسی سلسلے کا ایک بنیادی اقدام تھا۔ ان کی زندگی کے آخری چار پانچ سال اسی جدوجہد میں گزرے۔ مظفر حسین اس جدوجہد میں اُن کے ہمقدم تھے۔ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھتے ہیں کہ ظفر علی ہاشمی (زیڈ۔ اے۔ ہاشمی) جب سیکرٹری تعلیم مقرر ہوئے تو ڈاکٹر صاحب بہت خوش تھے کیونکہ اُن کے علم میں تھا کہ ہاشمی صاحب بار با اسلام اور سائنس کے الحاق پر زور دے چکے ہیں (۳۰)۔ ان کی اسی بات نے ڈاکٹر صاحب کو غائبانہ طور پر اُن کا عقیدت مند بنا رکھا تھا۔ مظفر حسین کی ہمراہی میں وہ ایک دو بار ہاشمی صاحب کی خدمت میں حاضر بھی ہوئے لیکن نصابات کو از سرِ نو مرتب کرنے اور اس کے عملی نفاذ کے موقف پر ہاشمی صاحب کو قائل کر نہ سکے۔ مظفر حسین کا کہنا تھا کہ اُس روز ڈاکٹر صاحب کی مایوسی دیدنی تھی۔ وہ بار بار یہی کہتے تھے کہ اگر ہاشمی صاحب واقعی مذہب اور سائنس کا الحاق چاہتے ہیں تو بجائے اس کے ہم اُن کے پاس درخواست لے کر جائیں اُنہیں اس کام کے لیے خود ہمیں تلاش کرنا چاہیے تھا لیکن اُنہوں نے تو پہلی بات ہی تسلیم نہ کی (۳۱)۔

حکومتی اداروں کی بے حسی پر ان کا دل کڑھتا تھا۔ وہ مایوس ہوتے لیکن پھر اُٹھ کھڑے ہوتے۔ وہ ایک عالی ہمت انسان تھے۔ اُن کے عزائم بلند تھے۔ اسی لیے زندگی کی آخری سانسوں تک نہ اُن کا قلم رُکا نہ اُن کے قدم تھمے۔ اربابِ اختیار نے اُن کی تجاویز کو قابلِ توجہ نہ سمجھا لیکن اُن کے دو چار رفقا ایسے تھے جنھوں نے اُن کا خوب ساتھ نبھایا۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین، تصانیف کے آئینہ میں

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی پوری زندگی درس وتدریس اور تصنیف و تالیف میں گزری۔ البتہ اُن کی ان کاوشوں کا بنیادی مقصد تھا اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے علمی وفکری بنیادوں کو مستحکم کرنا۔ اس مقصد پر روشنی ڈالنے کے لئے اُن کی تصانیف کا اجمالی تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

☆ Ideology of Future (مستقبل کا نظریۂ حیات):

اس تصنیف میں حیات وکائنات کی مربوط توضیح پیش کی گئی ہے۔ اس توضیح کی بنیاد اس حقیقت پر قائم ہے کہ کائنات کی آخری حقیقت مادہ نہیں بلکہ شعور ہے۔ اُنہوں نے ٹھوس دلائل کے ذریعہ مغرب کے معروف مفکرین کارل مارکس، فرائڈ، ایڈلر اور میگڈوگل کے پیش کردہ نظریات کی نفی کی ہے اور اسلام کے مستقبل کو آخری اور عالمگیر نظریۂ حیات قرار دیا ہے (۳۲)۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۴۶ء میں طبع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا جس کے سر ورق پر تحریر ہے:

"A study of the laws of human nature and human activity, and the manner in which they determine the course of history of the process of ideological evolution, including a refutation of the theories of Karl Marx, Freud, Adler and McDougall".

اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا اور چوتھا ایڈیشن ۱۹۹۰ء میں۔ پہلا ایڈیشن بذات خود ڈاکٹر رفیع الدین صاحب نے طبع کرایا۔ دوسرا دین محمد پریس، میکلوڈ روڈ کراچی، تیسرا ایڈیشن، شیخ محمد اشرف لاہور، اور چوتھا ایڈیشن دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد نے شائع کیا۔

ڈاکٹر رفیع الدین اس کتاب کا اردو ترجمہ کر رہے تھے جو بالاقساط "اسلامک ایجوکیشن" میں شائع ہو رہا تھا لیکن اچانک وفات نے اُنھیں اس کام کی تکمیل کی مہلت نہ دی (۳۳)۔

☆ پاکستان کا مستقبل:

اس تصنیف میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے مدلل اسلوب میں یہ حقیقت بیان کی ہے کہ اسلام ایک کامل اور پائیدار نظامِ تصورات ہے جو آخر کار اشتراکیت اور دیگر نظام ہائے تصورات کو مٹا کر دنیا میں پھیل جائے گا۔ مسلمانوں کے موجودہ انحطاط کے حقیقی اسباب کو واضح کرنے کے بعد اُنہوں نے بشارت دی ہے کہ پاکستان اس انحطاط کو عروج میں بدل کر اسلام کی آخری فتح اور دنیا کی مستقل نجات کا موجب ہو گا۔

کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۷ء-۱۹۴۸ء میں شیخ برکت علی اینڈ سنز تاجران کتب لاہور نے شائع کیا جس کے سر ورق کے اندرونی سطح پر اقبال کا یہ شعر درج ہے۔

صفتِ برق چمکتا ہے مرا فکر بلند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تا بھٹکتے نہ پھریں ظلمتِ شب میں راہی

دوسرا ایڈیشن ۱۹۴۹ء میں آل پاکستان ایجوکیشنل کانگریس لاہور نے شائع کیا جس کے سرورق پر اقبال کے شعر کا مصرع درج ہے کہ:

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے

★ **قرآن اور علم جدید:**

اس تصنیف کے انتساب میں مصنف لکھتے ہیں :''مستقبل کے انسان کے نام جو قرآنی نظریۂ کائنات کے علاوہ ہر نظریہ ٔ کائنات کو عہدِ قدیم کی جہالت قرار دے گا''۔ یہ انتساب دراصل مصنف کا وہ دعویٰ ہے جس کو بنیاد بنا کر اُنہوں نے فکرِ مغرب بالخصوص ڈارون ہیگل ، فرائڈ ، ایڈلر ، کارل مارکس اور میکیاولی کے نظریات کا ابطال کیا ہے ۔ مصنف دلیل کے طور پر اس آیتِ قرآنی کو پیش کرتے ہیں کہ:

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾(حم السجدۃ:۵۳)

''ہم عنقریب اُنہیں کائنات میں اور خود اُن کے اندر اپنی نشانیاں دکھائیں گے
یہاں تک کہ اُن پر واضح ہوجائے گا کہ یہ قرآن ہی حق ہے''۔

ادارۂ ثقافت اسلامیہ نے اس کتاب کے تین ایڈیشن ۱۹۵۱ تا ۱۹۵۹ شائع کیے ۔ آل پاکستان اسلامک ایجوکیشنل کانگریس نے ۱۹۸۱ء میں اس کا چوتھا ، ۱۹۸۶ء میں پانچواں اور ۱۹۹۲ء میں چھٹا ایڈیشن شائع کیا۔

راقم کے لئے سعادت:

قرآن اور علم جدید کا ساتواں ایڈیشن ڈاکٹر رفیع الدین فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام فروری ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر رفیع الدین کے صاحبزادے صلاح الدین محمود صاحب نے راقم کو یہ اعزاز بخشا کہ وہ اس ایڈیشن پر نظر ثانی کرے ۔ راقم نے اس ایڈیشن پر جو پیش لفظ لکھا وہ حسبِ ذیل ہے:

پیش لفظ

(بموقع طبع ہفتم)

قیامت کے برپا ہونے سے پہلے پورے کرہ ٔ ارضی پر اسلام کے عادلانہ نظام کا غلبہ ایک یقینی اور اٹل حقیقت ہے۔ البتہ اسلام کے سیاسی اور عسکری غلبہ سے پہلے اس کا علمی و فکری غلبہ ناگزیر ہے۔ علمی و فکری غلبہ سے مراد ہے کہ اس وقت دنیا میں قائم مختلف نظاموں کی بنیاد جن نظریات پر ہے اُن کا مدلل ابطال کرنا اور اسلام کے دیے ہوئے تصورات کو مبنی بر حق ثابت کرنا۔ علامہ اقبال نے ''الٰہیاتِ اسلامیہ کی تشکیلِ جدید'' کے عنوان سے اپنے خطبات کے ذریعہ اس علمی و فکری کام کا آغاز کیا تھا اور بلاشبہ ڈاکٹر رفیع الدین نے ''قرآن اور علم جدید'' کے عنوان سے کتاب تحریر فرما کر مذکورہ کام کی تکمیل کردی ہے۔ موصوف نے ناقابلِ تردید حقائق، دلائل اور مثالوں سے اُن تمام فلسفوں اور نظریات کے تارو پود بکھیر دیے ہیں جن کی بنیاد پر آج مختلف ممالک میں نظام ہائے حکومت قائم ہیں۔ ویسے تو رائج نظاموں کے تحت ظلم و استحصال اس بات کا عملی ثبوت تھا کہ اُن کی اساس باطل نظریات پر ہے لیکن ڈاکٹر رفیع الدین نے تو علمی بنیاد پر ان نظریات کا فاسد ہونا بالکل ہی واضح کر دیا ہے۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے ثابت کردیا کہ حقیقی عادلانہ فکر و فلسفہ صرف اور صرف وہی ہے جو اسلام نے ہمیں عطا کیا ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین صاحب نے انسانی فطرت کی انتہائی درست ترجمانی کی ہے کہ دنیا میں انسانوں کی سرگرمیوں کے لئے جذبہ ٔ محرک کوئی جبلت یا نفسانی خواہش نہیں بلکہ بہتر سے بہتر آدرش کی جستجو ہے۔ بقول الطاف حسین حالی ؎

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب دیکھیے ٹھہرتی ہے جا کے نظر کہاں

بلاشبہ بقول ڈاکٹر رفیع الدین انسان کی نظر جا کر ٹھہرے گی اعلیٰ ترین آدرش پر اور وہ ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات بے مثال۔

اب ضرورت اس بات کی تھی کہ ڈاکٹر صاحب کی اس علمی کاوش کو علمی حلقوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وسیع پیمانے پر موضوع بحث بنایا جاتا اور دنیا کے سامنے اس کاوش کو مختلف زاویوں سے پیش کر کے اہتمام حجت کیا جاتا۔لیکن افسوس کے ہم نے جس طرح دیگر مشاہیر ملت کی ناقدری کی' یہی ظلم ہم نے ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کی علمی کاوش کے ساتھ بھی کیا۔اقبال کو بھی اپنی ناقدری کا شکوہ رہا اور اُس نے درد بھرے الفاظ میں اس کا مرثیہ کہا :

بآں رازے کہ گفتم پے نبردند
ز شاخِ نخلِ من خرما نخوردند
من اے میر امم داد از تو خواہم
مرا یاراں غزل خوانے شمردند

اسی طرح ڈاکٹر رفیع الدین صاحب نے بھی مظفر حسین صاحب کے سامنے اس خدشہ کا اظہار کیا۔

''اب تو آپ علامہ اقبال کو روتے ہیں۔ لیکن میرے بعد شاید آپ کو دوسرا رفیع الدین بھی میسر نہ آ سکے''۔

سرود رفتہ باز آید کہ ناید؟
نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟
سر آمد روزگار ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید؟

بہرحال یہ بات لائق تحسین ہے کہ مظفر حسین صاحب(مرحوم) 'ڈاکٹر اسرار احمد صاحب' صلاح الدین محمود صاحب(ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کے صاحبزادے) اور چند دیگر احباب ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کی فکر اور تصانیف کو زندہ رکھنے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔اس سلسلہ میں ''رفیع الدین فاؤنڈیشن'' کا قیام بھی انتہائی خوش کن ہے۔

قرآن اور علم جدید کے اس ساتویں ایڈیشن کی کمپیوٹر طباعت کے بعد جب جناب صلاح الدین محمود صاحب نے مجھے اس طباعت پر نظر ثانی کے لئے کہا تو میں نے اسے اپنے لیے بہت بڑا اعزاز سمجھا۔کہاں میں علمی وفکری اعتبار سے پستیوں کا مکین اور کہاں ڈاکٹر رفیع

الدین صاحب کی علمی وفکری بلندیوں کو چھوتی ہوئی یہ تصنیف۔بہر حال میں نے علمی وفکری اعتبار سے اپنی کم مائیگی کے باوجود نظر ثانی کا کٹھن کام شروع کیا اور بمشکل ایک سال کے عرصہ میں اُسے مکمل کر پایا۔نظر ثانی کے دوران حسب ذیل امور انجام دیے گئے :

۱- طباعت میں املا کی غلطیوں کی تصحیح کی گئی۔
۲- آیات قرآنی کے حوالہ جات شامل کیے گئے۔
۳- عنوانات کے مقامات کی تصحیح کی گئی۔

قارئین مذکورہ بالا امور کے حوالے سے اگر کہیں کوئی غلطی محسوس کریں تو ضرور اس سے آگاہ کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کا ازالہ کیا جاسکے۔میں صلاح الدین محمود صاحب کا انتہائی مشکور ہوں کہ اُنہوں نے مجھے اس کتاب کی طباعت پر نظر ثانی کے لیے شرف سعادت بخشا۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری حقیر سی کوششوں کو قبول فرمائے۔آمین!

نوید احمد
ریڈر اکیڈمکس
انجمن خدام القرآن سندھ کراچی(۳۴) ۱۳/اکتوبر ۲۰۰۹ء

صلاح الدین محمود صاحب نے اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی کیا ہے جو Quran & Modern Knowledge کے عنوان سے رفیع الدین فاؤنڈیشن نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کی ایک تلخیص محمد موسیٰ بھٹو صاحب نے کی ہے جسے سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ حیدرآباد نے نومبر ۲۰۰۲ء شائع کیا۔موسیٰ بھٹو صاحب نے سرورق پر تحریر کیا ہے:

''ممتاز فلسفی کی طرف سے عالم اسلام کے دانشوروں، یونیورسٹی کے فضلاء اور جدید طبقہ کے لئے عظیم تحفہ''۔

☆ روحِ اسلام:

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ نے ۱۹۵۵ء میں ''اسلام کی بنیادی حقیقتیں'' کے عنوان سے مختلف اسکالرز کی تحریروں کا مجموعہ شائع کیا جس میں ڈاکٹر رفیع الدین کی یہ تحریر بھی شامل تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ مجموعہ بعد ازاں ۱۹۷۵ء میں دوبارہ شائع کیا گیا۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانگریس لاہور نے ۱۹۹۳ء میں اس تحریر کو علیحدہ شائع کیا۔ اس تحریر کے حوالے سے چوہدری مظفر حسین کے تاثرات یہ ہیں کہ:

"روح اسلام" اگرچہ ڈاکٹر رفیع الدین کی ابتدائی تحریروں میں سے ہے لیکن اس میں ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور کے فلسفے کا خلاصہ مختصر الفاظ میں سمٹ آیا ہے ...... لطف کی بات یہ ہے کہ یہ فلسفہ اتنی عام فہم زبان میں بیان ہوا ہے جسے ایک عام آدمی بھی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ اور یہ ایک ایسی تحریر ہے جو قلوب کو حمائیت، سکینت سے ہمکنار کر کے انہیں رسوخ فی الایمان کی نعمت سے مالا مال کرتی ہے"(۳۵)۔

"روح اسلام" کا انگریزی ترجمہ "The Essence of Islam" کے عنوان سے ڈاکٹر رفیع الدین کے صاحبزادے صلاح الدین محمود نے کیا اور رفیع الدین فاؤنڈیشن، لاہور نے اسے شائع کیا۔

★ **Manifesto of Islam:**

اس کتاب میں مصنف نے Ideology of Future کے مضامین کو انتہائی سادہ اور عام فہم اسلوب میں اور قرآن و سنت کے حوالوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اب تک اس کتاب کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ تیسرا ایڈیشن ۱۹۹۰ء میں دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد نے شائع کیا تھا۔ مصنف نے اس کتاب کے اردو ترجمہ کا آغاز کر دیا تھا لیکن تکمیل نہ کر سکے۔ بعد میں اُسے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے اسکالر جناب ڈاکٹر ابصار احمد نے مکمل کیا اور قسط وار ماہنامہ حکمتِ قرآن لاہور میں شائع کیا۔ بعد ازاں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے اسے کتابی صورت میں بعنوان "منشور اسلام" شائع کیا۔ اس کتاب کے عربی اور فارسی میں بھی تراجم شائع ہو چکے ہیں(۳۶)۔

★ **First Princilpes of Education:**

اس کتاب میں مصنف نے رائج نظام ہائے تعلیم کی خامیوں کو بڑے مدلل اسلوب میں بے نقاب کیا ہے۔ تعلیمی نظام میں تبدیلی کی ضرورت کے احساس کو اُجاگر کیا ہے اور درست رخ پر نظام تعلیم کو گامزن کرنے کے لئے بنیادی رہنما اصول بیان کئے ہیں۔ اس کتاب کو پہلی بار اقبال اکادمی پاکستان نے ۱۹۶۱ء میں شائع کیا۔ اس تصنیف پر پنجاب یونیورسٹی لاہور نے مصنف کو ڈی۔لٹ کی ڈگری دی تھی۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن اقبال اکادمی نے ہی ۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔

اس کتاب کا اردو ترجمہ مولوی سبطین احمد بدایونی نے "تعلیم کے ابتدائی اصول" کے عنوان سے کیا جو آل پاکستان ایجوکیشنل ریسرچ کراچی کی طرف سے دو جلدوں میں ۱۹۶۸ء اور ۱۹۶۹ء میں شائع کیا گیا(۳۷)۔

★ **حکمت اقبال:**

یہ کتاب دراصل کلام اقبال کی روشنی میں اقبال کے فلسفۂ خودی کی مفصل اور منظم تشریح ہے۔ کتاب کے دیباچے میں مصنف لکھتے ہیں:

"دراصل اس وقت بھی اقبال کے خیالات کے متعلق جس قدر غلط فہمیاں مسلمانوں یا غیر مسلموں میں پائی جاتی ہیں اُن کا سبب یہی ہے کہ اقبال کے خیالات کی علمی اور عقلی ترتیب اور تنظیم مہیا نہیں کی گئی۔ دوسرے الفاظ میں میرا نتیجہ یہ تھا کہ اقبال کا فلسفہ دنیا کے اور بڑے بڑے فلسفوں کی طرح بالقوہ انسان اور کائنات کا ایک مکمل اور مسلسل فلسفہ ہے جس کا امتیازی وصف یہ ہوتا ہے کہ اس کے تصورات میں ایک عقلی یا منطقی ترتیب اور تنظیم موجود ہوتی ہے جو اُسے موثر اور یقین افروز بناتی ہے اور اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اقبال کے تصورات کی مخفی عقلی ترتیب اور تنظیم کو آشکار کر کے اُس کی فکر کو ایک مکمل نظام حیات Philosophical System کی شکل دی جائے تاکہ نہ صرف پاکستان کے اندر پوری طرح سے قابل فہم بن جائے بلکہ دنیا کے آگے باطل شکن عالمگیر فلسفہ کی حیثیت سے دنیا کے علمی حلقوں میں اپنا مقام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل کر سکے"۔

یہ کتاب پہلی بار علمی کتاب خانہ لاہور نے شائع کی لیکن اُس پر سن اشاعت درج نہیں۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۶ء میں طبع ہوا۔ یہ اشاعت پاکستان اسلامک ایجوکیشنل کانگریس لاہور اور ادارۂ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد کے باہمی اشتراک سے ہوئی۔

☆ A specimen- Text Book of Physics for Intermediate Classes:

یہ نصابی کتاب ڈاکٹر رفیع الدین کی وفات کے بعد ۱۹۷۲ء میں ملک خدا بخش بُچہ کے پیش لفظ کے ساتھ آل پاکستان اسلامک ایجوکیشنل کانگریس لاہور کی طرف سے شائع ہوئی۔

دراصل اس کتاب کی تالیف ڈاکٹر مرحوم کے اس تعلیمی منصوبہ کا حصہ تھی جس کے مطابق کالجوں اور یونیورسٹی کے سائنسی نصابات کو قرآنی فکر کی روشنی میں از سرِ نو مرتب کیا جانا ضروری قرار دیا گیا تھا اور جس کی وضاحت ملک صاحب نے اپنے پیش لفظ میں بھی کی ہے:

"He (Dr. Rafi-ud-Din) would never cease in preaching his basic idea that all text books in Physical, Biological and Social science be re-written in such a manner that Islamic concept of "Tauheed" becomes an integral part of all sciences".

مزید لکھتے ہیں:

" This specimen text book on intermediate physics from Islamic point of view which Dr. Muhammad Rafi-ud-Din has authored was in fact the first practical experimental with his much preached theory".

اس کتاب کی اشاعت کا مقصد یہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے اس تجربے کو ملک

کے نامور سائنس دانوں، ماہرین تعلیم اور محکمۂ تعلیم کے پالیسی سازوں کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ وہ ایک نصابی کتاب کی حیثیت سے اس کی موزونیت کے بارے میں اپنا فیصلہ دے سکیں۔ اسی صورت میں اس تجربے کو آگے بڑھایا جا سکتا تھا لیکن ڈاکٹر صاحب کی وفات کی وجہ سے اس سمت میں کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔

مقالات/خطبات

(اردو۔ انگریزی)

۱	Iqbal,s Idea of the Self	مجلہ اقبال، بزمِ اقبال، لاہور۔ جنوری ۱۹۵۳ء
۲	World Chaos	پندرہ روزہ "اسلام" (انگریزی) کراچی۔ یکم فروری ۱۹۵۵ء
۳	اسلامی نظامِ تعلیم کا مفہوم	ماہنامہ "ثقافت" ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور۔ فروری ۱۹۵۶ء
۴	Iqbal,s concept of Evolution	اقبال ریویو، اقبال اکیڈمی پاکستان، کراچی۔ اپریل ۱۹۶۰ء
۵	Need for Scientific Exposition of Iqbal	روزنامہ "پاکستان ٹائمز" لاہور۔ ۲۱ اپریل ۱۹۶۰ء
۶	حقیقت کائنات اور انسان	ماہنامہ "اقبال ریویو" اقبال اکادمی پاکستان، کراچی۔ جنوری ۱۹۶۱ء
۷	اقبال کا تصورِ حقیقتِ اولیٰ	اقبال ریویو، کراچی۔ جنوری ۱۹۶۱ء
۸	اقبال کا فلسفہ (اردو/انگریزی)	اقبال ریویو، کراچی۔ جنوری ۱۹۶۰ء، اکتوبر ۱۹۶۱ء
۹	Iqbal,s Contribution to Knowledge	روزنامہ "پاکستان ٹائمز" لاہور۔ ۲۱ اپریل ۱۹۶۲ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۰	The Slogan of the Coming World Revolution	"اقبال ریویو" کراچی ۔ جولائی ۱۹۶۴ء
۱۱	صحیح فلسفہ کیا ہے؟ قرآن کی راہنمائی	"اقبال ریویو" کراچی ۔ جولائی ۱۹۶۴ء
۱۲	اسلام اور سائنس	"اقبال ریویو" کراچی ۔ جنوری ۱۹۶۵ء
۱۳	What is man	دو ماہی "اسلامک ایجوکیشن" آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس لاہور۔ مارچ ۱۹۶۸ء
۱۴	Education Should Prepare us for World Role	دو ماہی "اسلامک ایجوکیشن" آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس لاہور۔ مارچ ۱۹۶۸ء
۱۵	مارکسیت کا مغالطہ (اردو/انگریزی)	سہ ماہی "اسلامک ایجوکیشن" لاہور، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۷۰ء
۱۶	Iqbal was against Godless Science	روزنامہ "پاکستان ٹائمز" لاہور ۲۱ اپریل ۱۹۷۱ء
۱۷	قوت افکار	دو ماہی "اسلامی تعلیم" لاہور جنوری، فروری ۱۹۷۲ء
۱۸	Islam and the Human Nature	اسلامک ایجوکیشن، لاہور جنوری، فروری ۱۹۷۲ء
۱۹	ہماری درسی کتابوں کے نقائص	اسلامک ایجوکیشن، لاہور مارچ، اپریل ۱۹۷۲ء
۲۰	اسلامی تعلیم	اسلامک ایجوکیشن، مارچ، جون ۱۹۷۲ء
۲۱	مجوزہ تعلیمی پالیسی	اسلامک ایجوکیشن، ۱۹۷۲ء

(قومی اور بین الاقوامی کانفرنسوں اور سیمناروں میں پڑھے جانے والے تحقیقی مقالات)

1. "The Confusion of the Modern Philosophical of Human nature"

(A paper Present at the Pakistan philosophical congress held at Lahore in 1955)

2. The Motivating Force of Human Activity.

(A Paper Present at the Philosophical Congress held at Hyderabad in 1957. Later Published in the Journal of Philosophical Congress)

3. "Potential contribution of Islam to World peace"

(A Paper Present at the International Islamic Colloquium held at Lahore in 1957/1958)

4. "The Meaning and Purpose of Islamic Research".

(A Paper Present at the First National Conference held at Lahore in 1958)

5. "The Meaning of Terms-Freedom and Progress".

(A Paper presented at the International Seminar on Tradition and change, held in Karachi in 1959 under the auspices of the Congress for Cultural Freedom)

Latery published in the Daily, Dawn Karachi.

6. "The Educational Philosophy of Sir Percy Nunn"

(A Paper presented at the philosophical Congress held at Dacca in 1959)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

7. "The National Character.

(A Paper Present in the Seminar on National character organized jointly by the Bureau of National Reconstruction and the Philosophical Congress held at Karachi University in 1960)

8. Eradicate Intellectual Secularism to Save Humanity

(Presidential Address to the Socio-Philosophical Section of the all Pakistan Islamic studies conference held at Hyderabad in 1963)

9. The Islamic Philosophy of History.

(A Paper Present at the philosophical Congress held at Hyderabad in 1964.)

10. "Solution of Human Riddle"

(A Paper Present at the Philosophical Congress held at Hyderabad in 1964)

11. Propogation of Islam in the West. (Urdu)

(A Paper Present at the Golden Jubliee Celebration of Ahmadya Anjuman Ishaat-i-Islam,Lahore, Dec.1964)

12. Islam and Science (Urdu)

(Extension Lecture delivered at the University of Peshawar in Feb 1965 and at "Sham-e-Hamdared" Lahore in Oct 1965. Latery published in Iqbal Review Karachi and in a

booklet shape by the Iqbal Academy Pakistan Karachi)(38)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے منتخب انگریزی مقالات اور خطبات کا ایک مجموعہ "Facets of Islamic World View" کے عنوان سے ۱۹۸۳ء میں آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس کی طرف سے شائع ہوا۔ پیش لفظ مظفر حسین نے تحریر کیا۔ مجموعے میں درج ذیل تحریریں شامل ہیں۔

1. What is Man?
2. The Motivating Force of Human Activity
3. The Idea of Freedom and Progresin islam.
4. Eradicate Intellectual Secularism to Save Humanity.
5. The Potential Contribution of Islam to World peace.
6. The Slogan of the coming world Revolution.

حواشی و حوالہ جات:

۱ ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کے خاندانی پس منظر کے بارے میں اکثر معلومات اُن کے صاحبزادے صلاح الدین محمود صاحب نے فراہم کی ہیں۔انہوں نے ہی ڈاکٹر شفیق عجمی کی تالیف "علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین (حسی و فکری تقابل)" فراہم کی جس سے اس مضمون کی تیاری میں گراں قدر استفادہ کیا۔

۲ ڈاکٹر شفیق عجمی ، علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین (حسی و فکری تقابل) بزمِ اقبال 2 کلب روڈ لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۲۸،۲۷ (ڈاکٹر صاحب کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے لیکن ڈاکٹر شفیق عجمی نے ان کی تعلیمی اسناد میں درج تاریخ ولادت یعنی ۲۳ جولائی ۱۹۰۱ء کو ترجیح دی ہے)۔

۳ کلیم اختر ، اقبال اور مشاہیر کشمیر، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۱۹۹۔

۴ قدرت اللہ شہاب ، شہاب نامہ، سنگ میل پبلیکیشنز، بیسواں ایڈیشن ۲۰۰۲ء، ص ۱۱۸۔

۵ کلیم اختر ، اقبال اور مشاہیر کشمیر، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۱۶۸۔

۶ ڈاکٹر شفیق عجمی ، علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین (حسی و فکری تقابل) بزمِ اقبال 2 کلب روڈ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۴۷/۳۸۔

۷ مولانا محمد حنیف ندوی، ماہنامہ المعارف، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، جنوری فروری ۱۹۶۸ء، ص ۱۱۰/۱۱۱۔

۸ ڈاکٹر شفیق عجمی، علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین (علمی و فکری تقابل)، بزمِ اقبال 2 کلب روڈ لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۳۹

۹ ڈاکٹر رفیع الدین کا مقالہ "Scientific Exposition of Iqbal" یومِ اقبال (۲۱ اپریل ۱۹۶۰ء) کو روزنامہ "The Pakistan Times" لاہور میں شائع ہوا۔

۱۰ ڈاکٹر شفیق عجمی، علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین (علمی و فکری تقابل)، بزمِ اقبال 2 کلب روڈ لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۸۸/۸۹

۱۱ ڈاکٹر شفیق عجمی، علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین (علمی و فکری تقابل)، بزمِ اقبال 2 کلب روڈ لاہور، ۲۰۱۱ء، ضمیمہ ۲ (ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے عبدالماجد دریابادی کے نام خط کا عکس)۔

۱۲ مولانا عبدالماجد دریابادی، ماہنامہ صدقِ جدید لکھنؤ، اشاعت ۲۶ مئی ۱۹۶۷ء۔

۱۳ خدا بخش بچہ، روزنامہ نوائے وقت، اشاعت ۲۲ دسمبر ۱۹۶۹ء۔

۱۴ ڈاکٹر اسرار احمد، ماہنامہ حکمتِ قرآن، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، اشاعت جون ۱۹۸۲ء، ص ۳ تا ۵۔ (اب یہ جریدہ سہ ماہی بنیاد پر شائع ہوتا ہے)۔

۱۵ شجاع الدین، ماہنامہ کتاب، بک فاؤنڈیشن لاہور، اشاعت جولائی اگست ۱۹۷۰ء، ص ۳۱۔

۱۶ ڈاکٹر اسرار احمد، ماہنامہ میثاق لاہور، اشاعت دسمبر ۱۹۶۹ء۔

۱۷ خدا بخش بچہ، روزنامہ نوائے وقت لاہور، اشاعت ۲۲ دسمبر ۱۹۶۹ء۔

۱۸ ڈاکٹر اسرار احمد، ماہنامہ حکمتِ قرآن، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، اشاعت جون ۱۹۸۲ء، ص ۶۔

۱۹ مولانا ابوالحسن علی ندوی، کاروانِ زندگی، مجلس نشریاتِ اسلام کراچی، اشاعت ۱۹۸۳ء، ص ۲۵۲/۲۵۳۔

۲۰ مولانا عبدالماجد دریابادی، معاصرین، مرتب عبدالحکیم دریابادی، مکتوب پبلشرز لاہور، تاریخ اشاعت درج نہیں، ص ۲۰۷۔

۲۱ مولانا عبدالماجد دریابادی، ماہنامہ صدقِ جدید لکھنؤ، اشاعت ۲ مئی ۱۹۵۸ء، ۲۰ فروری ۱۹۵۹ء، ۲۸ اگست ۱۹۵۹ء۔

۲۲ دو ماہی اسلامی تعلیم، ڈاکٹر رفیع الدین نمبر، آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس، ص ۱۴۔

۲۳ شجاع الدین، ماہنامہ کتاب، بک فاؤنڈیشن لاہور، اشاعت جولائی اگست ۱۹۷۰ء، ص ۳۱۔

۲۴ علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین (علمی و فکری تقابل)، بزمِ اقبال 2 کلب روڈ لاہور، ۲۰۱۱ء، ڈاکٹر شفیق عجمی کے نام صلاح الدین محمود کا خط بابت ۳۰ جون ۲۰۰۲ء، ص ۹۱۔

۲۵ دو ماہی اسلامی تعلیم، ڈاکٹر رفیع الدین نمبر، آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس، ص ۱۱۔

۲۶ شجاع الدین، ماہنامہ کتاب، بک فاؤنڈیشن لاہور، اشاعت جولائی اگست ۱۹۷۰ء، ص ۳۰۔

۲۷ مظفر حسین، ہفت روزہ چٹان لاہور، اشاعت ۳۰ نومبر ۱۹۷۰ء۔

۲۸ پروفیسر عثمان، روزنامہ نوائے وقت لاہور، اشاعت ۱۲ دسمبر ۱۹۶۹ء۔

۲۹ پروفیسر مرزا محمد منور، سہ ماہی اسلامک ایجوکیشن لاہور، اشاعت اکتوبر نومبر دسمبر ۱۹۷۰ء، ص ۱۰۹/۱۱۰۔

۳۰ زیڈ۔ اے۔ ہاشمی کا ایک مضمون بعنوان "سائنس اور فلسفہ" توحید مظفر حسین کی مرتبہ کتاب "سائنس کی دینیات" شائع کردہ آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس لاہور، طبع اول ۱۹۸۲ء، میں شامل ہے۔

۳۱ مظفر حسین، روزنامہ نوائے وقت لاہور، اشاعت ۱۶ دسمبر ۱۹۶۹ء۔

۳۲ تعارف Ideology of the Future، طبع اول ۱۹۴۶ء، ص i۔

۳۳ سہ ماہی، اسلامک ایجوکیشن، لاہور، اپریل، مئی، جون ۱۹۷۱ء، ص ۱۔

۳۴ ڈاکٹر محمد رفیع الدین، قرآن اور علمِ جدید، ڈاکٹر رفیع الدین فاؤنڈیشن، طبع ہشتم فروری ۲۰۱۱ء، ص ۷۱/۸۱۔

۳۵ تعارف از مظفر حسین، روحِ اسلام، آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۹۔

۳۶ ڈاکٹر شفیق عجمی، علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین (علمی و فکری تقابل)، بزمِ اقبال 2 کلب روڈ لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۱۷۔

۳۷ ڈاکٹر شفیق عجمی، علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین (علمی و فکری تقابل)، بزمِ اقبال 2 کلب روڈ لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۲۷۔

۳۸ ڈاکٹر شفیق عجمی کے مطابق ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے مقالات/خطبات کے بارے میں فہرست ان کے ذاتی کاغذات پر مشتمل فائل میں موجود ہے جو کہ آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس لائبریری واقع ۲۔ فرینڈز کالونی لاہور میں موجود ہے جس کی تصدیق مختلف رسائل اور جرائد مثلاً اقبال ریویو (کراچی)، اسلامک ایجوکیشن، اسلامی تعلیم (لاہور)، آل پاکستان سائنٹیفک جرنل، روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور کی مختلف اشاعتوں سے بھی کی گئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۹، شمارہ ۱۸، اپریل ۲۰۱۱ تا ستمبر ۲۰۱۲ء

”مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ......سیاسی اور نظریاتی کردار“

(پاکستان کی تاریخ اور سیاست کے تناظر میں)

ڈاکٹر محمد شکیل صدیقی

On aspect of the work and endeavors of great scholar,Syed Abul Aala Maudoodi multidimensional personality is the writing on the history and politics of Pakistan. He played a dynamic and active role during Pakistan movement and after the foundation of Pakistan. The present articale has thoroughly delineated the services and role of the great scholar in Pakistan movement; same is the title of the article.

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ بیسویں صدی کے ایک معروف مفسر، محدث، فقیہ، مفکر، مورخ اور متکلم ہیں۔ ان کی سیرت وکردار اور خدمات اور کارناموں کی جہات اس قدر متنوع، مبسوط اور ہمہ گیر ہیں کہ اگر کوئی صاحب نظر ایک جملے میں احاطہ کرنا چاہے اور ان کے مقام ومرتبے کا تعین کرنے کی کوشش کرے تو یہ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوگا تاہم مولانا مودودیؒ کے

علمی کارناموں اور عملی جدوجہد کو مربوط و مرتکز کرکے ان کی پہچان اور شناخت متعین کی جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ مولانا مودودیؒ بنیادی طور پر ایک مصلح اور مجدد تھے۔ جنہوں نے اپنی پوری زندگی جسم وجان اور قلب وذہن کی کل صلاحیتوں اور توانائیوں کو احیائے دین اور اقامت دین کے لیے وقف کردیا۔ انہوں نے اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات، ابتلاء وآزمائشوں کا سامنا ومقابلہ، اسلاف کے مومنانہ کردار ووقار، صبر واستقلال اور عزیمت واستقامت کی شاندار روایت کے مطابق اس طرح کیا کہ وہ آج تک تاریخ میں سرخرو ہیں اور ان کے اثرات میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے۔

حکومت وسیاست، ریاست کا بنیادی موضوع اور دین کا جزو لاینفک ہے اسی لیے مولانا مودودیؒ نے بھی سیاست کو دین کے جزو کے طور پر اپنی فکروعمل کا موضوع بنایا انہوں نے ایک ماہر متکلم کی حیثیت سے اسلامی سیاسی افکار ونظریات کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں جدید مغربی تہذیب وافکار کے مقابل ایک قابل عمل اور موثر حاقتور نظریہ کے طور پر پیش کرکے سیاست ومعاشرت میں مغرب کی فسوں کاری کو بے نقاب کیا تو دوسری طرف تحریک پاکستان اور مملکت پاکستان کو فکری نظریاتی اساس فراہم کرنے میں علمی اور عملی طور پر اپنا کردار ادا کیا، مولانا مودودیؒ ایک عالم باعمل مسلمان مفکر تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کی سیاست اور سیاسی نظریات ایک بے عمل فلسفی کا فلسفہ نہیں اور نہ ہی زندگی سے کٹے ہوئے درویش کی ریاضت ہے بلکہ انہوں نے دین کا جو فہم حاصل کیا اسے دوسروں تک پہنچانے اور اسے اللہ کی زمین پر نافذ وغالب کرنے کی تنہا واجتماعی کوششیں بھی کیں اس ضمن میں مولانا مودودیؒ نے احیائے دین اور اقامت دین کے فریضے کو ایک منظم اجتماعی تحریک کی شکل دی اور ایک جماعت، ”جماعت اسلامی“ قائم کی جو وہ اس جماعت کے بانی امیر تھے، مولانا مودودیؒ نے تقسیم کے بعد ہندوستان سے ہجرت کرکے پاکستان میں سکونت اختیار کی جو اور پاکستان کی قومی سیاسی تاریخ کی ابتدائی تین دہائیوں میں مستعد اور فعال کردار ادا کیا۔

تحریک پاکستان اور پاکستان کی قومی سیاست میں مولانا مودودیؒ کا سیاسی نظریاتی کردار زیر نظر مقالہ کا موضوع ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باور کرانے کی کوشش کی کہ ہندوستان قوم پرستی کا واحد اور بلاشرکت غیر مادی مظہر ہے، ہندوستان میں ہندو مسلم سوال، چند مسلمان دانشوروں، زمینداروں اور سرمایہ داروں تک محدود ہے، جو اسے ایک ایسا فرضی مسئلہ بنا رہے ہیں جس کا کوئی وجود حقیقتاً عوام کے ذہن میں نہیں ہے، کانگریس نے اقتدار میں مسلم لیگ کو حصہ دار بنانے سے انکار کے ساتھ ساتھ لیگ کے خلاف حکمت عملی کا ایک اور رخ بھی اختیار کیا۔ مسلم لیگ کو اقتدار سے باہر رکھنا ہی کافی نہیں، عوام میں اس کی طاقت کو کمزور اور بالآخر اسے بالکل ختم کر دینا چاہیے، کانگریس اپنی رابطہ عوام مہم کے ذریعے یہ کوشش کر رہی تھی مسلم اتحاد کو تباہ کر کے مسلم ملت میں انتشار پیدا کر دے، بنیادی ہندو مت پر مبنی ور دھا اور ودیا مندر تعلیمی اسکیم جاری کی گئی جس کا واحد مقصد مسلمانوں کی دینی، ملی اور تہذیبی اساس کو منہدم کر کے ہندی تہذیب کی عمارت کی تعمیر تھا اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ایک اور کاری وار زبان ورسم الخط پر بھی کیا گیا اور ہندی کو قومی زبان بنانے کی تحریک شروع کی گئی ہندی زبان کی آڑ میں دراصل متحدہ ہندی قومیت کے مقاصد کو پورا کرنا تھا۔ متحدہ قومیت کی بنیاد پر وطنیت کی تحریک کا سب سے المناک پہلو یہ تھا کہ کانگریس کو مسلمان قوم پرستوں کے ایک ایسے گروہ کی تائید بھی حاصل ہوگئی تھی جو متحدہ قومیت پر مبنی وطنیت کے تصور کو اپنے مفاد کے مطابق سمجھتے تھے اس کانگریسی تحریک میں عام مسلمانوں کے ساتھ علماء کا ایک مکتبہ فکر بھی متحدہ قومیت کا علمبردار بن کر سامنے آیا جس نے کہا کہ "فی زمانا قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔" [؎]

یہ وہ حالات تھے جس میں مولانا مودودیؒ اسلامی قومیت کے نقیب بن کر سامنے آئے، انہوں نے علمی، عقلی، تہذیبی اور تاریخی پہلوؤں سے ثابت کیا کہ مسلمان اور ہندو الگ الگ قومیں ہیں، دونوں کا تصور خدا، مذہبی عقیدہ، رہن سہن اور طور طریقے سب جدا ہیں انہیں ایک قوم کہنا بالکل غلط ہے۔ مولانا مودودیؒ نے تحریک پاکستان کی جدوجہد کے اس نازک اور فیصلہ کن موڑ پر واضح کیا کہ:

"ہندوستان میں جو تہذیبی قومیں پائی جاتی ہیں انہیں کوئی ایسا شخص متشابہ الاخلاق نہیں کہہ سکتا جو اجتماعیت میں کچھ بھی بصیرت رکھتا ہو جو سیاسی خواہشات سے قطع نظر کر کے محض حقائق نفس الامری کی بناء پر رائے قائم کرتا ہو۔ ان قوموں کے درمیان اس سے زیادہ اختلافات پائے

پاکستان کی تاریخ اور سیاست میں مولانا مودودیؒ کے کردار کا درج ذیل تین حصوں میں مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

اول .... قیام پاکستان سے قبل تحریک پاکستان میں کردار۔
دوم .... قیام پاکستان کے وقت مسائل ومشکلات کے حل میں حصہ۔
سوم .... قیام پاکستان کے بعد قومی سیاست میں کردار۔

<u>تحریک پاکستان:</u> تحریک پاکستان میں مولانا مودودیؒ کا کردار خالصتاً علمی فکری اور نظریاتی ہے، تحریک پاکستان میں ایک ایسا موڑ بھی آیا جب دوقومی نظریہ کے بارے میں تشکیک اور وسوسہ پیدا کرنے کی سازشیں کی گئیں یہ سازشیں اتنی گہری تھیں کہ اگر ان کا بروقت تدارک نہ کیا جاتا تو خودملت اسلامیہ اس سازش کا شکار ہو جاتی اور ایک آزاد اسلامی مملکت کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوتا اس نازک اور فیصلہ کن موڑ پر مولانا مودودیؒ نے دوقومی نظریہ کے خلاف حملوں کا نہ صرف دفاع کیا بلکہ ان داخلی وخارجی قوتوں کے عزائم کو ناکام بنایا جو پاکستان کی فکری اور نظریاتی اساس کو کمزور ومنہدم کرنا چاہتے تھے۔ اس حوالے سے ہم تحریک پاکستان کی فکری اور نظریاتی جدوجہد میں مولانا مودودیؒ کے کردار کا اجمالی جائزہ لیں گے۔

.... <u>۱۹۳۷ء</u> میں جب ہندوستان میں آئین حکومت مجریہ <u>۱۹۳۵ء</u> کے تحت ملک گیر انتخابات منعقد ہوئے ان انتخابات میں انڈین نیشنل کانگریس نے گیارہ میں سے آٹھ صوبوں میں کامیابی حاصل کرلی [؎]۔ انتخابات میں کانگریس کی کامیابی کے کیا معنی تھے؟ یہ ایک الگ اور تفصیلی موضوع ہے تاہم انتخابی نتائج سے یہ ثابت ہوگیا کہ مخلوط انتخابات، ہندو اکثریت کے ذریعے مسلم اقلیت کو محکوم بنانے کی سازش ہے، کانگریس نے کامیابی کے بعد نہ صرف حکومت سازی میں مسلم لیگ کو یکسر نظر انداز کیا بلکہ مسلمانوں کی وحدت واکائی کو تحلیل کرنے کی پروپیگنڈہ مہم شروع کی، کانگریس نے ایک طرف تو <u>۱۹۳۵ء</u> کے دستور میں اقلیتوں کو حاصل سیاسی، اقتصادی اور مذہبی حقوق کے تحفظ کی تنسیخ کا مطالبہ کیا تو دوسری طرف مسلم لیگ کو نظر انداز کر کے تنہا حکومت سازی کی، کانگریس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فتح کے غرور وتکبر میں اپنی سیاسی اور برہمنی حیثیت کو مستحکم کرنے پر ساری توجہ مرکوز کر دی، ۱۰ مئی <u>۱۹۳۷ء</u> کو جواہر لال نہرو نے مسلمانوں کو یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتے ہیں جتنے یورپ کی مختلف تہذیبی قومیتوں کے درمیان موجود ہیں یہاں عقائد بعدالمشرقین ہے، اصول تہذیب ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے، نظام اخلاق میں بیّن تفاوت ہے، روایات کے سرچشمے قطعی طور پر الگ الگ ہیں، جذبات واحساسات باہم متناقض ہیں اور ایک کا نیشنل ٹائپ اپنے خد وخال میں دوسرے کے نیشنل ٹائپ سے کوئی مماثلت نہیں رکھتا ہے۔ یہاں محض سیاسی ومعاشی اغراض کی خاطر ان مختلف قومیتوں کو ملا کر ایک ممزوج ومخلوط قومیت پیدا کرانے کی کوشش لامحالہ وہی نتیجہ پیدا کرے گی جس کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے۔ [۷]

مولانا مودودیؒ نے وطنی قومیت کے تصور کی نفی میں تاریخی دلائل پیش کیے اور کہا کہ:

''پوری انسانی تاریخ میں ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جاسکتی کہ کوئی قوم محض وطن سے بنی ہو، آج اس زمانے میں بھی کون سی قوم ہے جو وطن سے بنی ہے؟ کیا امریکا کے حبشی اور ریڈ انڈین اور سفید فام ایک قوم ہیں؟ کیا جرمنی کے یہود اور جرمن ایک قوم ہیں؟ کیا پولینڈ روس، ترکی، یونان، یوگوسلاویہ، چیکوسلواکیہ، لتھونیا، فن لینڈ کسی بھی جگہ خاک وطن کے اشتراک نے ایک قوم بنائی کیا؟ انگلستان، فرانس اور جاپان میں وحدت کا رنگ خاک وطن نے پیدا کیا؟ کیا ڈیڑھ کروڑ سے زیادہ یہودی جو روئے زمین کے اطراف واکناف میں منتشر ہیں کسی جگہ بھی وطنی قومیت میں جذب ہوگئے؟ [۸]

مولانا مودودیؒ نے قومیت اور آزادیٔ وطن کے تصور کو اسلام کے تصور قومیت، آزادی اور وطن سے ہم آہنگ کیا اور بغیر کسی مداہنت ومعذرت کے اپنا نقطۂ نظر پوری قوت اور جرات کے ساتھ پیش کرتے ہوئے کہا کہ:

''مسلمانوں کے لیے ایسی آزادیٔ وطن کی خاطر لڑنا قطعی حرام ہے جس کا نتیجہ انگلستانی غیر مسلموں سے ہندوستانی غیر مسلموں کی طرف اقتدار حکومت کا انتقال ہو۔ پھر ان کے لیے یہ بھی حرام ہے کہ وہ اس انتقال کے عمل کو بیٹھے ہوئے خاموش دیکھتے رہیں۔ اور ان کے لیے یہ بھی حرام ہے کہ اس انتقال کو روکنے کی خاطر انگلستانی غیر مسلموں کا اقتدار قائم رکھنے میں معاون بن جائیں۔ اسلام ہمیں ان تینوں راستوں پر جانے سے روکتا ہے۔ اب اگر ہم مسلمان رہنا چاہتے ہیں اور ہندوستان میں اسلام کا وہ حشر دیکھنے کے لیے تیار نہیں جو اسپین اور سسلی میں

ہو چکا ہے تو ہمارے لیے صرف ایک ہی راستہ باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم آزادیٔ ہند کی تحریک کا رخ حکومت کفر کی طرف سے حکومت حق کی طرف پھیرنے کی کوشش کریں اور اس غرض کے لیے ایک ایسی سرفروشانہ جنگ کے لیے کمربستہ ہو جائیں جس کا انجام یا کامیابی ہو یا موت۔ [۹]

معروف محقق اور ادیب ڈاکٹر سید عبداللہ مولانا مودودیؒ کی وطنی قومیت کے تصور کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''انھوں نے سب سے پہلے وطنی قومیت کے علمبردار مسلم علماء وزعماء کے استدلال پر زوردار تنقید کی اور یہ ثابت کیا کہ انگریزی استعمار کے خلاف جنگ درست لیکن آزادی کی صورت میں اقامت دین اور اس کے لیے ایک اسلامی ریاست کا قیام ہر شئے پر مقدم ہونا چاہیے۔ [۱۰]

ڈاکٹر عبداللہ مزید کہتے ہیں کہ:

''جب سید مودودیؒ نے وطنی قومیت کے علمبرداروں کے خلاف جن میں بعض ایسے اکابر بھی شامل تھے جن کے خلوص میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا اپنی تحریری مہم کا آغاز کیا تو بہت سے لوگ ناراض ہوئے۔ لیکن آہستہ آہستہ انہوں نے جب اپنی دلیل کا لوہا منوایا تو اکثر لوگوں کو قائل ہونا پڑا کہ سید مودودیؒ کا موقف گم گشتہ اقتدار اسلامی کی بازیابی کے لیے نقطۂ نظر درست ہے .... اور واقعی یہ سوچنے کی بات ہے کہ ہندوستان میں ایک ہزار سال حکومت کرنے کے بعد، کیا مسلمانوں کی یہی حالت ہونی چاہیے تھی کہ وہ بازیابی کے بجائے ایک غیر مسلم اکثریت کے اندر ...... دریا میں قطرے کی مانند ...... گم ہو کر رہ جاتے''۔ [۱۱]

تحریک پاکستان کے ایک معروف مورخ اور ماہر تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے کانگریس کے عزائم کے خلاف مولانا مودودیؒ کے موقف کو پاکستان کے قیام کے مترادف قرار دیا وہ لکھتے ہیں کہ:

''مولانا مودودیؒ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں اور کانگریسی تحریک میں کوئی قدر مشترک نہیں ہے۔ ہماری موت اس کے لیے زندگی ہے اور اس کی موت ہماری حیات ہے نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف یہ کہ ہمارے اور اس کے قوانین، اصولوں اور طریق کار میں کوئی قدر مشترک نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے متضاد ہیں اختلافات اس قدر وسیع ہیں کہ کسی نقطہ پر دونوں کا میل نہیں ہوتا۔ اختلافات (اس کے اور ہمارے مقاصد اور منزل کے درمیان) کی نوعیت مشرق اور مغرب کے تناقات کی سی ہے کہ کوئی شخص پشت کیے بغیر دوسرے کی جانب نہیں جا سکتا۔

ڈاکٹر قریشی مزید رقمطراز ہیں کہ:

''مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے انڈین نیشنل کانگریس کی پالیسیوں کا جو محتاط تجزیہ پیش کیا اس سے بہت سوں کی آنکھیں کھل گئیں اگرچہ اس سے انہیں بہت زیادہ پیروکار نہیں ملے مگر اس سے بعض ذہن اور مخلص مسلمان کانگریس سے ضرور برگشتہ ہوگئے اور وہ قائد اعظمؒ کے ساتھیوں کی حیثیت سے مسلم لیگ میں سرگرم عمل ہوگئے۔ مولانا مودودیؒ کا یہ کردار اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے مسلمان دانشور طبقہ کو اس امر کا قائل کیا کہ متحدہ قومیت کا نظریہ مسلمانوں کے لیے خودکشی کے مترادف ہے۔ بیشتر نے اس موقف کا منطقی نتیجہ یہ لیا کہ برصغیر کے مسلمانوں کی واحد منزل پاکستان کا قیام ہے۔[۱۲]

مولانا مودودیؒ نے علیحدہ قومیت کی بنیاد پر علیحدہ وطن کے تصور کو ایک علمی و فکری جہت عطا کی انہوں نے مسلم قومیت کی فکری اور تہذیبی اساس کا تعین کیا۔ تحریک پاکستان میں مولانا مودودیؒ کا یہ علمی و فکری کردار تاریخ پاکستان کا ایک ناقابل فراموش باب ہے جسے کوئی بھی مورخ نظر انداز نہیں کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر اسد گیلانی نے بجا فرمایا کہ:

''سید مودودیؒ پہلے شخص تھے جنہوں نے نظریہ پاکستان کو علمی سطح پر دلائل کے ساتھ پیش کیا اور ان دلائل کا کانگریس کے ساتھ وابستہ علماء کے پاس کوئی جواب نہ تھا اس کے بعد پاکستان کا تصور مسلمانوں میں پختہ ہوگیا اور مسلم لیگ کے علیحدہ اسلامی اور قومی وطن کی مہم کو سید مودودیؒ کے ان دلائل سے زبردست تقویت ملی .... پاکستان کے حق میں سید مودودیؒ کی یہ زبردست خدمت ہے جو انہوں نے علمی میدان میں سرانجام دی۔ [۱۳]

حیدرآباد سے دارالاسلام (پٹھان کوٹ) ہجرت:

مولانا مودودیؒ ۱۹۳۸ء میں مصور پاکستان علامہ اقبالؒ کی دعوت پر حیدرآباد (دکن) کو خیرباد کہہ کر پٹھان کوٹ (ضلع گورداسپور مشرقی پنجاب) دارالاسلام نامی ایک بستی میں ہجرت کر کے آ گئے۔ پنجاب آنے کا مشورہ علامہ اقبال نے ۱۹۳۷ء میں مولانا مودودیؒ کو ایک ملاقات میں دیا تھا، اس کا مختصراً پس منظر یہ ہے کہ:

''چوہدری نیاز علی خان جو ایک دردمند مسلمان تھے اور خدمت دین کا جذبہ رکھتے تھے انہوں نے جمال پور میں پٹھانکوٹ کے قریب اراضی لے کر ایک وقف ''دارالاسلام'' کے نام سے قائم کیا تھا، ان کی خواہش تھی کہ وہاں کوئی عالم دین بیٹھ کر اصلاح عوام اور دین کا کام کرے، علامہ اقبالؒ کی نشاندہی پر چوہدری نیاز علی خان نے مولانا مودودیؒ سے، جو اس وقت حیدرآباد دکن سے رسالہ ''ترجمان القرآن'' نکال رہے تھے خط و کتابت کی ان کی خواہش تھی کہ مولانا مودودیؒ خود ہی اس ادارہ میں منتقل ہو جائیں اور اپنی صوابدید کے مطابق ادارے کے مشن کو چلائیں۔ [۱۴] مولانا مودودیؒ اقبالؒ کی خواہش کے مطابق دارالاسلام منتقل ہو گئے۔

۱۹ شعبان ۱۳۵۷ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۳۸ء بروز جمعہ اسکیم کے مطابق ''ادارہ دارالاسلام'' کا قیام عمل میں آیا اور ایک دستور العمل بھی تشکیل دیا گیا، دارالاسلام منصوبے کے قیام کے لیے مولانا مودودیؒ نے ترجمان القرآن میں مضامین لکھے اس کے اغراض و مقاصد بیان کیے۔ [۱۵] یہ سلسلہ کچھ عرصہ تک جاری لیکن مولانا مودودیؒ اور ٹرسٹ کے درمیان طریق کار اور تصور دین کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا [۱۶] چنانچہ مارچ ۱۹۳۹ء کو دارالاسلام کو لاہور منتقل کر دیا گیا پھر ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو جماعت اسلامی کا قیام عمل میں آیا۔

دارالاسلام علامہ اقبالؒ کا تخیل، چوہدری نیاز علی خان کا ایثار اور مولانا مودودیؒ کے فکری اجتہاد کا ایک حسین امتزاج تھا۔ دارالاسلام ایک مقام بھی تھا ایک تصور کی عملی تشکیل بھی اور جماعت اسلامی کا خشت اول بھی۔ [۱۷]

مولانا مودودیؒ حیدرآباد کا آرام و سہولت تج کر ایک دور افتادہ بستی پٹھان کوٹ اور لاہور تک سفر فی الواقعہ ہجرت ہی سے تعبیر کیا جائے گا۔ مولانا مودودیؒ کے پیش نظر اس سفر کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منزل بھی برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ کی اصلاح اور خدمت ہی تھی اس اعتبار سے یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۹ء تک اور اس کے بعد ۱۹۴۱ء تک کا دور بالواسطہ یا بلاواسطہ تحریک پاکستان کی علمی و فکری جدوجہد سے عبارت ہے۔ اس دور کے اہم واقعات کی ہم الگ بھی نشان دہی کریں گے۔

☆ جماعت اسلامی کا قیام:

مولانا مودودیؒ نے جماعت اسلامی کے قیام کی وجوہات کو اپنی مختلف تحریروں اور تقریروں میں بیان کیا ہے ان کے پیش نظر جماعت اسلامی کے قیام کا بنیادی محرک و مقصد مسلمانان ہند کا مستقبل تھا، ہر صورت میں کہ اگر مسلم لیگ قیام پاکستان کی کوشش میں ناکام ہوجائے اور انگریز اکثریت کی بنیاد پر حکومت ہندوؤں کے حوالے کردے۔ اور اگر مسلم لیگ کامیاب ہوجائے اور ملک تقسیم ہوجائے تو جو مسلمان ہندوستان میں رہ جائیں ان کے لیے کیا کیا جائے اور جو ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آئے گا اس کو مسلمانوں کی کافرانہ حکومت بننے سے کیسے بچایا جائے اور اسے اسلامی حکومت کے راستے پر کیسے ڈالا جائے۔ یہی وہ امور تھے اور موقع تھا جب مولانا مودودیؒ نے جماعت اسلامی کے نام سے ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو لاہور میں جماعت اسلامی قائم کی گویا جماعت اسلامی کے قیام کی اصل غرض و غایت بھی اسلام، مسلمان اور پاکستان ہی تھے مولانا مودودیؒ کے پیش نظر یہ تھا کہ ایک ایسی منظم جماعت ہو جو تقسیم کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کو سنبھالے اور جو پاکستان بن جانے کے بعد وہاں اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کرے اور اگر ملک تقسیم نہ ہو تو مسلم لیگ کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کی دوسری دفاعی لائن ثابت ہوسکے۔ ۱۸ اس اعتبار سے جماعت اسلامی کی تاسیس بھی فی الحقیقت تحریک پاکستان اور نظریہ پاکستان کے مقاصد کی عملی تعبیر تھی۔

☆ تحریک پاکستان کی عملی حمایت:

مولانا مودودیؒ نے تحریک پاکستان میں جن فکری اور نظریاتی بنیادوں پر کردار ادا کیا اس نے یقیناً نہرو اور گاندھی کے متحدہ قومیت کا خواب چکنا چور کردیا بلکہ ایسی مضبوط اور مستحکم بنیادیں فراہم کردیں کہ مسلمانوں کو ہندوؤں یا ہندو قومیت کے اندر جذب کرنے کے تمام امکانات

ختم کردیے تاہم اب دوسرا مرحلہ تحریک پاکستان کی عملی جدوجہد اور حمایت کا تھا اس میں بھی مولانا مودودیؒ نے اسلام اور ملت اسلامیہ کے وسیع تر مفاد میں اپنے بعض تحفظات کے باوجود پاکستان کی حمایت کی۔

پاکستان کے بارے میں ریفرنڈم کا مرحلہ آیا تو صوبہ سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم کے موقع پر مولانا مودودیؒ نے پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالنے کا مشورہ دیا اور لوگوں کو اس پر آمادہ کرنے کے لیے فرمایا:

"اگر میں صوبہ سرحد کا رہنے والا ہوتا تو استصواب رائے میں میرا ووٹ پاکستان کے حق میں پڑتا۔ اس لیے کہ جب ہندوستان کی تقسیم ہندو اور مسلم قومیت کی بنیاد پر ہو رہی ہے تو لامحالہ ہر اس علاقہ کو جہاں مسلمان قوم کی اکثریت ہو اس تقسیم میں مسلم قومیت ہی کے علاقے کے ساتھ شامل ہونا چاہیے"۔ ۱۹

مولانا مودودیؒ کا یہ بیان نہ صرف قیام پاکستان کی حمایت میں ایک اہم حصہ ہے بلکہ ان عناصر کے اس پروپیگنڈے کا جواب بھی ہے جو مولانا مودودیؒ پر پاکستان کی مخالفت کا من گھڑت الزام عائد کرتے ہیں پاکستان سے تعلق کے حوالے سے مولانا مودودیؒ کی آخری تحریر "I am a Muslim and Pakistani" ہے۔ مولانا ان ہی دو نسبتوں، ایک مسلمان اور دوسرے پاکستانی ہونے پر فخر کرتے تھے۔

☆ مولانا مودودیؒ اور قائد اعظمؒ:

بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے حوالے سے بھی مولانا مودودیؒ پر الزام تراشیاں کی گئیں ہمارے خیال میں یہ برمحل ہوگا کہ اس الزام کی حقیقت بھی بے نقاب کردی جائے۔

مولانا مودودیؒ ایک اصولی انسان تھے وہ جس چیز کو جیسا دیکھتے اور سمجھتے تھے اسے بیان کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے تھے، تحریک پاکستان میں جو لوگ شامل تھے ان کے بارے میں مولانا نے برملا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ:

جس قسم کے عناصر پاکستان کی تحریک میں شامل ہو رہے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یقینی طور پر یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ عناصر جمع ہو کر ایک ملک بنا سکتے ہیں ایک قومی حکومت قائم کر سکتے ہیں، لیکن ان عناصر سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ یہ ایک اسلامی حکومت بنالیں گے۔ میں اس کو بالکل صاف دیکھ رہا تھا۔ مسئلہ ایک شخص کا یا چند اشخاص کا نہیں ہے مسئلہ یہ ہے کہ اس تحریک میں جو لوگ شامل ہو رہے تھے جو اس میں پیش پیش تھے جو اس تحریک کو چلا رہے تھے ان کے کیریکٹر کو دیکھتے ہوئے، ان کی زندگیوں کو دیکھتے ہوئے ان کی تعلیم، ان کے خیالات اور ان کی ہر چیز کو دیکھتے ہوئے ان سے کیا توقعات وابستہ کی جا سکتی تھیں۔ میں یہ اندازہ کر رہا تھا کہ یہ ایک ملک بنا سکتے ہیں لیکن اس کو اسلامی حکومت نہیں بنا سکتے''۔۴۰ ایک اور مقام پر مولانا یہ فرمایا کہ

''ہم نے محسوس کیا کہ پاکستان بنانے والوں کا ارادہ ہرگز یہاں ایک اسلامی حکومت قائم کرنے کا نہیں ہے میں آپ سے پوچھتا ہوں اور ہر شخص خود غور کرے کہ اگر واقعی پاکستان کو اسلامی حکومت بنانے کا مقصد ان کے پیش نظر تھا تو کیا پہلا کام ان کو یہ نہ کرنا چاہیے تھا کہ دستور ساز اسمبلی میں قرارداد مقاصد (Objective Resolation) پاس کرتے جس قرارداد کو ڈیڑھ دو سال کے سخت مطالبہ کے بعد پاس کیا گیا اس کو اول روز ہی پاس ہونا چاہیے تھا اگر واقعی اسلامی حکومت بنانا پیش نظر تھا''۔۴۱ مولانا مودودیؒ کا یہ اندازہ کچھ غلط نہ تھا اور بعد کے واقعات نے کیا ثابت نہیں کیا کہ پاکستان اسلامی مملکت بن سکا اور یہاں اسلامی حکومت قائم ہو سکی؟ لیکن مولانا کے رقیبوں نے ان اندازوں اور خیالات کو غلط معنی پہنانے کی کوشش کی جس پر مولانا نے فرمایا کہ: ''میرے اس فقرے کو یہ معنی پہنانے کی کوشش کی گئی کہ بانیان پاکستان کا شروع ہی سے پاکستان کو ایک اسلامی حکومت بنانے کا ارادہ نہیں تھا پھر اس میں مزید شرارت سے یہ معنی بھی پیدا کر لیے گئے کہ دراصل میں نے اس فقرے میں قائد اعظم مرحوم پر حملہ کیا ہے حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں'' مولانا اس کی وضاحت اور تصریح منیر انکوائری کمیٹی ۱۹۵۳ء میں کر چکے ہیں یہاں کمیٹی میں مولانا کے بیان سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

بے شمار شہادتیں اس امر کی موجود ہیں کہ پاکستان کے قیام سے پہلے قائد اعظم مرحوم مسلمانوں سے ایک اسلامی ریاست کا وعدہ کرتے رہے تھے اور اس کے بعد بھی اس کو دہراتے رہے ۱۴ نومبر ۱۹۴۵ء کو ایک تقریر میں انہوں نے فرمایا ''مسلمان پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں

جہاں وہ خود اپنے ضابطہ حیات اپنے تہذیبی ارتقاء، اپنی روایات اور اسلامی قانون کے مطابق حکمرانی کر سکیں''۔۴۲

اور خود قائد اعظم مولانا مودودیؒ کے بارے میں کیا احساسات رکھتے تھے اس کے راوی قمر الدین خان کی زبانی سنیے:

''موصوف نے لکھا کہ وہ مولانا مودودیؒ صاحب کے ایماء پر ۱۹۴۱ء میں قائد اعظم سے ملے اور راجہ آف محمود آباد کی مدد سے گل رعنا (دہلی) میں ہماری ملاقات کا انتظام کیا گیا قائد اعظم پینتالیس منٹ تک بڑے صبر سے میری بات سنتے رہے اور پھر کہا کہ مولانا مودودیؒ کی خدمات کو وہ نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک آزاد ریاست کا حصول ان کی زندگی اور کردار کی تعمیر سے زیادہ فوری اہمیت کا حامل ہے، انہوں نے کہا کہ جماعت اور مسلم لیگ میں کوئی اختلاف نہیں ہے جماعت اگر ایک اعلیٰ مقصد کے لیے کام کر رہی ہے تو لیگ اس فوری حل طلب مسئلے کی طرف متوجہ ہے جسے اگر حل نہ کیا جا سکا تو جماعت کا کام مکمل نہ ہو سکے گا''۔۴۳

یہ تھی تحریک پاکستان اور بانی پاکستان کے بارے میں مولانا مودودیؒ کی اصل پوزیشن مولانا کی اس پوزیشن کو طالع آزماؤں نے اپنے گروہی اور سیاسی مقاصد کے لیے مسخ کر کے پیش کرنے کی کوشش کی اگرچہ وقتی طور پر مولانا کے خلاف ڈھول اڑا کر اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن اوراق تاریخ کو مسخ نہ کر سکے۔ ان حقائق کی روشنی میں قیام پاکستان سے قبل تحریک پاکستان میں مولانا مودودیؒ کے نظریاتی وسیاسی کردار کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

قیام پاکستان سے قبل مولانا مودودیؒ کے سیاسی نظریاتی کردار اور خدمات کا جائزہ لینے کے بعد قیام پاکستان کے وقت یعنی قیام پاکستان کے فوراً بعد مولانا مودودیؒ کے پاکستان کے بارے میں تصورات وخیالات اور خدمات کیا تھیں، ان کا جائزہ لیں گے۔

☆ مہاجرین کی خبر گیری اور بحالی:

مولانا مودودیؒ کے افکار ہی میں نہیں بلکہ ان کے دل میں بھی مسلمانوں سے محبت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ہمدردی کے جذبات موجزن رہے وہ ملت اسلامیہ کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے تھے۔ اس کی متعدد مثالیں ان کی زندگی میں ملتی ہیں لیکن یہاں پاکستان کے حوالے سے صرف مہاجرین پاکستان کے لیے مولانا مودودیؒ کے محسوسات اور خدمات کا جائزہ لیں گے۔

ہندوستان کی تقسیم کے آثار جوں جوں نمایاں ہوتے جا رہے تھے ہندؤں اور سکھوں کی مسلمانوں کے خلاف قتل وغارت گری لوٹ مار اور پرتشدد سرگرمیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ۱۹۴۶ء میں بہار میں ہندؤں نے مسلمانوں کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا، ان پر مسلح حملے کیے اور جلاؤ گھیراؤ کرکے پوری کی پوری آبادیوں کو اجاڑ ڈالا ان بلوؤں میں بہار کے ہزاروں مسلمان شہید اور زخمی ہوئے اور جو بچ گئے انہیں گھروں سے بے دخل کردیا اس موقع پر مولانا مودودیؒ نے پٹنہ میں مسلمان مہاجرین کی امداد کے لیے کیمپ قائم کیا ان کی حفاظت کا بندوبست کیا۔ ۴۳

i. تقسیم کے بعد مولانا مودودیؒ اس وقت تک پٹھان کوٹ سے لاہور نہیں آئے جب تک انہیں اس بات کی ضمانت نہ دی گئی کہ کیمپوں میں پناہ گزیں محفوظ ہیں حالانکہ مولانا خود، ان کے اہل خانہ اور رفقائے جماعت کو بلوائیوں سے جان ومال کا خطرہ تھا۔

ii. مولانا مودودیؒ خود جاگ کر ساری ساری رات پہرہ دیتے جب حالات انتہائی خراب ہوگئے تو اعلیٰ پولیس افسران نے مولانا مودودیؒ کو بتایا کہ یہاں حملے کا شدید خطرہ ہے ہم آپ کو بحفاظت نکالنے کے لیے آئے ہیں تو مولانا مودودیؒ نے جانے سے انکار کردیا اور کہا کہ میں اتنے لوگوں کو کیمپ میں چھوڑ کر اکیلا کیسے جا سکتا ہوں کیونکہ انہیں سنبھالنا اور ضروری سہولتیں پہنچانا میری ذمہ داری ہے یہاں تک کہ جب پاکستانی فوج نے ان کیمپوں کا چارج لے لیا اور مولانا مودودیؒ مطمئن ہوئے تو ایک قافلے کے ساتھ ہجرت کرکے پاکستان آگئے۔ ۴۵

iii. کوال منڈی کیمپ میں قیام کیا اور واہگہ سے لے کر شاہدرہ اور والٹن تک لٹے ہوئے مہاجروں کی امداد وبحالی کے لیے کیمپ قائم کیے ان کیمپوں میں کام کرنے والوں میں جماعت کے رفقاء کی ایک بڑی تعداد تھی جو خود بھی مہاجر تھے لیکن انہوں نے مولانا مودودیؒ کی اپیل پر اپنے مسائل ومشکلات سے بے نیاز ہوکر مہاجروں کی خدمت کی۔ شیخ نذیر حسین جو مولانا کے ابتدائی ساتھیوں میں سے تھے ان کیمپوں کے بارے میں بتاتے ہیں کہ

میلوں چل کر بھوک و پیاس کے مارے خستہ حال مہاجرین پاکستان میں داخل ہوتے تو نڈھال ہوکر گر پڑتے ہم انہیں لیموں کی سکنجبین پیش کرتے .... عوام نے اس سلسلے میں ہم سے بہت تعاون کیا، وزیر اعظم خان لیاقت علی خان نے ہمارے کیمپ کا دورہ کیا .... کیمپ میں پارچات کی تقسیم کے علاوہ کیمپ کی صفائی مردوں کی تجہیز وتکفین سے لے کر تدفین تک ہم خود کرتے۔ ۴۶

مولانا مودودیؒ نے مصیبت زدہ مہاجرین کی مدد کرکے فی الحقیقت انصار مدینہ کی مثال قائم کی، مصیبت زدہ افراد کی مدد کے اس اصول کو مولانا نے اپنی جماعت کی ایک مستقل پالیسی بنایا اور خدمت خلق کے نام سے ایک مستقل شعبہ قائم کیا سیاست میں انسانیت کی خدمت کا یہ تصور پاکستان میں متعارف کرنے کا سہرا مولانا مودودیؒ اور ان کی جماعت کے سر ہے۔ خدمت خلق کے شعبہ کے تحت قربانی کی کھالوں سے جمع ہونے والی رقم غریبوں، یتیموں اور ناداروں پر خرچ کی جاتی۔ اس رقم سے سستے اور کشتی شفاخانے اور دینی تعلیم کے مدارس قائم کیے گئے۔ اس حوالے سے ایک اور اہم بات یہ ہے کہ آمدن وخرچ کا ہر سال آڈٹ کرایا جاتا ہے اور اس کا گوشوارہ عوام کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

جہاد کشمیر:

۳ جون ۱۹۴۷ء کو وائسرائے ہندوستان لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم ہند کے جس فارمولے کا اعلان کیا تھا اس کے مطابق "برصغیر کی تمام دیسی ریاستوں کو آزاد رہنے پاکستان یا ہندوستان میں شمولیت اختیار کرنے کا حق ہوگا"۔ ۴۷

ریاست جموں وکشمیر کی تاریخ وثقافت، جغرافیہ، مذہبی ومعاشرتی اقدار وروایات اور تقسیم ہند کے اصول کے مطابق کشمیر کو پاکستان کا حصہ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن کشمیر کے اسی فیصد مسلمانوں کو دھوکا دیا گیا تقسیم ہند سے تقریباً ڈیڑھ سو برس قبل انگریزوں نے کشمیر، راجہ گلاب سنگھ کو فروخت کردیا تقسیم کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ (گلاب سنگھ کا پڑپوتا) نے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں عوام کی آراء جانے بغیر ریاست کا بھارت سے الحاق کرلیا اسی کے ساتھ بھارتی فوجیں سری نگر میں اتریں اور انہوں نے انتظامیہ اور ہندو انتہا پسندوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کردیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۔ اس کے بعد پاکستانی فوجیں بھی کشمیر میں داخل ہوگئیں ، بھارتی وزیر اعظم جنگ بندی کی درخواست لے کر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں پہنچ گئے وزیر اعظم پاکستان کو یقین دلایا کہ ہمارا وعدہ ہے کہ امن وامان بحال ہونے پر ہم اپنی فوجیں واپس بلالیں گے اور ریاست کے مستقبل کا فیصلہ ریاست کے عوام پر چھوڑ دیں گے یہ وعدہ صرف آپ کی حکومت سے ہی نہیں کشمیر کے عوام اور پوری دنیا کے ساتھ ہے ۔نہرو کی درخواست پر اقوام متحدہ نے کشمیر کے مسئلہ کے حل کے لیے استصواب رائے کی قراردادیں پاس کیں اور ریفرینڈم کے لیے اقوام متحدہ کے ناظم استصواب بھی مقرر کیے گئے لیکن بھارت نے یہ کام نہیں کیا۔۳۸ تازہ کشمیر کی اس مختصر تاریخ کے بعد اب ہم مولانا مودودیؒ کی کشمیر سے تعلق واہمیت کا جائزہ لیں گے ۔مولانا خود کشمیر سے اپنے تعلق کا یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

"میں ۲۹ اگست ۱۹۴۷ء کو لاہور پہنچا اور دوسرے ہی دن صبح وزیر اعلیٰ پنجاب افتخار حسین ممدوٹ سے ملا اور میں نے ان سے کہا کہ ریڈکلف ایوارڈ ہندوستان کے لیے کشمیر کا راستہ کھول رہا ہے اس معاملے کی اتنی اہمیت میری نگاہ میں تھی کہ میں نے چند گھنٹے بھی ضائع کرنے مناسب نہیں سمجھے ۔ رانا اللہ داد خان صاحب کو بھیج کر خود وقت طے کروایا ۔ جب ریڈکلف ایوارڈ کا اعلان ہوا تو میں نے اسوقت اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کشمیر ہاتھ سے گیا ۔ چنانچہ میں نے یہاں پہنچتے ہی نواب ممدوٹ صاحب سے کہا کہ گورداسپور اس لیے ہندوستان کو دیا گیا کہ وہ کشمیر پر قابض ہوسکے میں نے نواب صاحب سے یہ بھی کہا کہ پنجاب میں لاکھوں سابق لازمی فوج موجود ہیں ان کو منظم کرکے جلدی سے جلدی کشمیر پر قبضہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ۔ان کو اسلحہ کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ کچھ نہ کچھ اسلحہ ان کے پاس موجود ہے ۔ مہاراجہ کشمیر سے سٹینڈسٹل معاہدہ نہ کیا جائے۔اس کے بعد اگلے ہی روز میں چودھری محمد علی صاحب سے بھی ملا اور یہی بات ان سے بھی کہی میں نے ان سے کہا میری یہ بات لیاقت علی خان صاحب تک پہنچادیں کہ وہ فی الفور کشمیر کی فکر کریں"۔۳۹

مذکورہ بالا واقعہ سے مولانا مودودیؒ کی کشمیر کے بارے میں خلوص ،سنجیدگی اور فکر مندی کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تاہم بعض عناصر نے مولانا مودودیؒ سے بغض وعناد میں اور ان کی

شہرت اور سیاسی ساکھ کو پاکستانیوں کی نظر میں مجروح کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ مولانا مودودیؒ کشمیر کے جہاد کو حرام قرار دیتے ہیں اس الزام کی کیا حقیقت ہے ؟

پہلے اس الزام کا جواب پھر کشمیر کے بارے میں مولانا کا متعین موقف ملاحظہ فرمائیں۔

"مولانا مودودیؒ اب تک جنگ کشمیر میں پاکستان کے شہریوں کے عملاً حصہ لینے کے حامی تھے۔لیکن اس معاہدے کے بعد ان کی رائے بدل گئی اور ان کا موقف یہ ہوگیا کہ ہماری نمائندہ حکومت کے ہندوستان کی حکومت کے ساتھ جو معاہدانہ تعلقات ہیں ان کی موجودگی میں پاکستان کے شہریوں کے لیے کشمیر کی جنگ میں عملاً شریک ہونا شرعاً جائز نہیں رہا۔۴۰

مولانا نے اس الزام کا جواب دیتے ہوئے مزید کہا کہ :

"یہ بات میں نے کبھی نہیں کہی ۔جو کچھ میں نے کہا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ جب تک حکومت پاکستان نے حکومت ہند کے ساتھ معاہدانہ تعلقات قائم کررکھے ہیں پاکستانیوں کے لیے کشمیر میں ہندوستانی فوجوں سے لڑنا ازروئے شرع جائز نہیں ہے میرے اس قول کو لے کر ایک منطقی ہیرپھیر کے ذریعے سے یہ نتیجہ نکال لیا گیا کہ جب ایسا کرنا جائز نہیں ہے تو جو لوگ وہاں لڑکر مارے جاتے ہیں وہ ضرور حرام موت مرتے ہیں اور جہنمی ہیں ۔ پھر اپنے نکالے ہوئے اس نتیجے کو زبردستی مجھ پر تھوپ دیا گیا۔ یہ تکفیر بازوں کا پرانا حربہ ہے کہ کسی شخص کی کہی ہوئی اصل بات پر اگر لوگوں کو اشتعال نہ دلایا جاسکے تو اس سے ایک دوسری بات خود نکال کر اس کی طرف منسوب کردی جائے"۔۴۱

مولانا نے کشمیر کے بارے میں ہونے والے فتنے کی اصل نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

"کشمیر کے معاملے میں جو الجھنیں واقع ہوئی ہیں وہ سب ہمارے لیڈروں کی پیہم غلطیوں کے نتائج ہیں انہوں نے ریاستوں کے بارے میں ایک مبہم بات مان لی اور قطعی طور پر یہ طے نہیں کرایا کہ کسی ملک میں کسی ریاست کی شرکت کا فیصلہ والی ریاست نہیں کرے گا بلکہ باشندگان ریاست کریں گے ۔بلکہ وہ ہمارے ہی لیڈر تھے جنہوں نے اس خیال کی مخالفت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر انہوں نے سرحدوں کے تعین کا فیصلہ ریڈکلف اور ماؤنٹ بیٹن کے ہاتھ میں چھوڑ دیا اور پیشگی لکھ کر دے دیا کہ جو سرحدی خط وہ کھینچ دیں گے اس کو یہ بے چون و چرا مان لیں گے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گورداسپور کا ضلع انڈین یونین میں شامل کر دیا گیا اور کشمیر کے ہندو رئیس کو ہندوستان میں شامل ہوجانے کا راستہ مل گیا پھر انہوں نے ریاست کشمیر کے ساتھ بحالی تعلقات کا معاہدہ کرلیا اور جموں اور پونچھ میں جب مسلمانوں پر ظلم وستم ہو رہے تھے یہ خاموش بیٹھے دیکھتے رہے پھر جب والی کشمیر انڈین یونین میں شامل ہوگیا اور ہندوستان نے وہاں فوجیں اتار دیں تو بیانات دینے کے سوا کچھ نہیں کیا۔۴۲

اگست ۱۹۴۸ء میں مولانا مودودیؒ کے خلاف حکومت پاکستان اور انڈیا ریڈیو کے ذریعے سے مجاہدین کشمیر اور کشمیریوں کو گمراہ کرنے کی جو پروپیگنڈہ مہم شروع کی تھی اس کا تفصیلی جواب مولانا نے ایک بیان کی صورت میں دیا اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

☆ ”میں کشمیر کو پاکستان کا ایک قدرتی حصہ سمجھتا ہوں میرے نزدیک جغرافیائی نسلی ،تاریخی ،معاشی ،تمدنی ہر لحاظ سے کشمیر پاکستان سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ ہندوستان سے“۔

☆ ریاست کشمیر کے مسلمان ڈوگروں اور ہندوستانی فوجوں کے مقابلے میں اپنی جان ومال اور آزادی بچانے کی جو جدوجہد کر رہے ہیں میں اسے بالکل حق بجانب سمجھتا ہوں اور متعدد بار کہہ چکا ہوں کہ ان کی یہ جنگ اسلامی نقطۂ نظر سے جہاد کے حکم میں ہے۔

☆ پاکستان کے باشندوں کے لیے بھی شرعاً بالکل جائز سمجھتا ہوں کہ وہ کشمیر کی جنگ آزادی میں خوراک، پوشاک اور طبی امداد کی حد تک حصہ لیں اگر مجاہدین کشمیر ان سے اسلحہ خریدیں تو وہ فروخت کرنے کے بھی شرعاً مجاز ہیں لیکن جب تک حکومت ہند اور حکومت پاکستان کے درمیان معاہدانہ تعلقات قائم ہیں میں براہ راست جنگی کاروائی میں ان کی شرکت کو جائز نہیں سمجھتا........ لیکن میری رائے کا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے کہ حکومت پاکستان ،حکومت ہند کے ساتھ ان معاہدانہ تعلقات کو باقی رکھے اور پاکستان کے لوگ کشمیر کی جنگ آزادی میں شرکت سے باز رہیں اس کے برعکس میرا اصل منشاء یہ ہے کہ حکومت پاکستان ان تعلقات کو ختم کرکے ہمارے راستے سے وہ اخلاقی اور شرعی رکاوٹیں دور کردے جو میرے نزدیک ہمیں کشمیر کے لیے

اپنی پوری طاقت صرف کرنے سے روک رہی ہے۔ میں کشمیر کو پاکستان کی زندگی کے لیے ناگزیر سمجھتا ہوں۔۴۳

کشمیر، قیام پاکستان کے بعد سب سے اہم اور حساس مسئلہ تھا مولانا مولانا مودودیؒ نے اس مسئلے پر جو مدبرانہ کردار ادا کیا وہ ان کی سیاسی نظریاتی بصیرت کے شایان شان تھا۔ کشمیر پر مولانا مودودیؒ کا یہ اصولی موقف پاکستان کی خارجہ پالیسی کا مستقل اصول بن گیا مولانا نے فی الحقیقت کشمیر پر آواز بلند کرکے ہندوستان کے غاصبانہ عزائم کو ناکام اور کشمیریوں کی آزادی کو نئی روح اور جہت عطا کی۔ کشمیر کے بارے میں یہی موقف قائد اعظم کا بھی تھا وہ زندگی کی آخری سانس تک کشمیر کے بارے میں فکر مند رہے۔

ہم مقالے کے آخر میں قیام پاکستان کے بعد مولانا مودودیؒ کے سیاسی اصول نظریات اور خدمات کا جائزہ لیں گے تا ہم اس سے قبل بعض مسلمہ سیاسی اصطلاحات وتصورات جیسے ریاست ،سیاست ،جمہوریت دستور، انتخابات ،خارجہ تعلقات اور بنیادی حقوق کے بارے میں اختصار کے ساتھ مولانا کے افکار کا تذکرہ کریں گے یہ اس لیے ضروری ہے کہ پاکستان کے سیاسی حالات اور واقعات کے تناظر میں مولانا کی فکر اور ان کی خدمات کا صحیح اندازہ لگایا جاسکے۔

☆ نظریہ ریاست:

مولانا مودودیؒ ریاست کے وجوب کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

” اجتماعی زندگی کے نظم کو قائم کرنے کے لیے بہرحال ایک قوت قاہرہ (Coercive Power) کی ضرورت ہے جسے ”اسٹیٹ“ یا ریاست کہتے ہیں اس ضرورت کا انکار انارکی پر اعتقاد رکھنے والوں کے سوا آج تک کسی نے نہیں کیا ہے یا پھر اشتراکی تصوف میں ایک ایسے مقام کا تصور کیا گیا ہے جہاں پہنچ کر انسان کی حیات اجتماعی ریاست کی ضرورت سے بے نیاز ہوجائے گی لیکن یہ صرف عالم خیال کی باتیں ہیں جن کی تائید میں کوئی تجربہ یا مشاہدہ پیش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ عملی زندگی کا تجربہ اور انسانی فطرت کا علم یہی بتاتا ہے کہ تمدن کا قیام ایک قوت قاہرہ کا یقیناً محتاج ہے .... پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ قوت جو اپنے قہر وغلبہ سے نظام تمدن کو قائم رکھتی ہے۔ بجائے خود کسی نہ کسی نظریہ اور کسی نہ کسی اجتماعی مسلک کی قائل ہوتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اسی نظریہ و مسلک کے مطابق وہ اپنے لیے ایک لائحہ عمل بناتی ہے اسی لائحہ عمل کو وہ قاہرانہ طاقت کے ساتھ اجتماعی زندگی میں نافذ کرتی ہے اور تمدنی شکل کے بننے اور بگڑنے میں اس قہر کی نوعیت اور اس لائحہ عمل کی اصولی تصویر کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ صرف اجتماعی زندگی ہی نہیں بلکہ انفرادی زندگی بھی بڑی حد تک خواہ مخواہ اس سانچے میں ڈھل کر رہتی ہے جسے اسٹیٹ اپنے قہر و تسلط سے بنا دیتا ہے جو لوگ کسی ریاست کے دائرے میں رہتے ہوں وہ چاہے اس کے بنیادی نظریے اور اس کے تفصیلی لائحہ عمل پر ایمان نہ رکھتے ہوں اور کسی طرح پر راضی نہ ہوں، لیکن انہیں چار و نا چار اپنے عقیدہ و مسلک کے 90 فیصدی حصہ سے دستبردار ہو کر ریاست کے عقیدہ و مسلک پر چلنا پڑتا ہے باقی 10 فیصدی میں بھی ان کے عقیدے و مسلک کی گرفت روز بروز ڈھیلی ہوتی چلی جاتی ہے .... (اس اعتبار سے) اجتماعی زندگی کے لیے ریاست بہر حال ناگزیر ہے۔ ۴۴؎

☆ تصورِ حکومت:

اسلام دنیا میں جو اصلاح چاہتا ہے وہ صرف وعظ و تذکیر سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کو عمل میں لانے کے لیے سیاسی طاقت بھی درکار ہے .... اقامت دین اور نفاذ شریعت اور اجرائے حدود اللہ کے لیے حکومت چاہنا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا نہ صرف جائز بلکہ مطلوب و مندوب ہے اور وہ لوگ غلطی پر ہیں جو اسے دنیا پرستی یا دنیا طلبی سے تعبیر کرتے ہیں۔ مولانا اپنے سیاسی نظریات کی تائید میں قرآن و سنت اور اجماع صحابہ سے دلیل پیش کرتے ہیں تصور حکومت سے متعلق مولانا قرآن کی سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۸۰ کا حوالہ دیتے ہیں:

"اور دعا کر پروردگار مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے"۔ ۴۵؎

وہ حکومت کی تائید میں یہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں مفسرین قرآن نے مذکورہ آیت کی تائید میں پیش کی ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سدباب کر دیتا ہے جن کا سدباب قرآن سے نہیں کرتا"۔

گویا حکومت و اقتدار کی طاقت معاشرتی بگاڑ، فواحش و معاصی کو روکنے کا اللہ کے قانون عدل کے نفاذ کا ذریعہ ہے۔ ۴۶؎

☆ تفریق دین و سیاست:

مولانا مودودیؒ نے دین و سیاست کی تفریق کو یکسر مسترد کیا ہے ان کے نزدیک اس کی دلیل اسلامی و قرآنی بھی ہے اور نفسیاتی اور تاریخی بھی ہے اس ضمن میں مولانا مودودیؒ نے ایک بنیادی اصول کی نشاندہی کی ہے وہ کہتے ہیں کہ:

"اسلام خود اپنا ایک نظام زندگی رکھتا ہے جس میں عقائد، اخلاق، عبادات کے ساتھ انفرادی عمل اور اجتماعی زندگی کے تمام معاملات سے متعلق احکام و قوانین بھی ہیں"۔ ۴۷؎

اس اصول کی روشنی میں سیاست، جو اجتماعیت کا موضوع ہے یقینی طور پر اس کا تعلق دین سے ہے اور سیاست یا اجتماعیت کو دین سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ دین و سیاست میں تفریق کی نفی بتاتے ہوئے مولانا کہتے ہیں کہ:

"مسلمان جب اپنے اصل مقصد کو بھول کر اور اپنے حقیقی مشن کو چھوڑ کر دنیا پرستی میں مبتلا ہو گئے اور دینداری کے معنی ان کی نگاہ میں صرف یہ رہ گئے کہ عبادات اور معاشرت میں چند شرعی طور طریقوں کی پابندی کی جاتی رہے خواہ مقصد زندگی وہی ہوں جو دنیا پرستوں کے ہوتے ہیں، خواہ نظام اجتماعی کی زمام کار صالحین کے ہاتھ میں ہو یا فجار کے ہاتھ میں، اور خواہ اجتماعی امامت اپنے اصول اور نصب العین کے اعتبار سے اسلامی ہو یا غیر اسلامی، تو اس غفلت کی سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں اس شکل میں دی گئی کہ ان کی بڑی بڑی آبادیاں پے در پے کفار کے تابع ہوتی چلی گئیں۔ ۴۸؎ مزید فرماتے ہیں کہ:

"جو لوگ دین کو ایک معقول اور متناسب نظام فکر کی حیثیت سے نہیں دیکھتے بلکہ اس کو منتشر اور اسے ایک دوسرے سے بے تعلق اجزاء کا مجموعہ سمجھتے ہیں ان کے لیے تو یہ بہت آسان ہے کہ انبیاء کے حالات زندگی، قرآن کی تعلیمات اور دین کے احکام و اوامر کو ٹکڑے کر کے ہر ایک کی ایسی تاویلیں اور تفسیریں کریں جن سے ایک جز دوسرے جز سے اور ایک پہلو دوسرے پہلو سے صریح تناقض کا رنگ اختیار کر لے .... لیکن اس دین کو ایک حکیم کے بنائے ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرتب و مربوط اور متناسب نظام کی حیثیت سے دیکھنے والوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ اس کے ہر پہلو اور ہر جز کی وہی تفسیر اور تاویل اختیار کریں جو کلی نظام کے مزاج سے مناسبت رکھتی ہو"۔ ۳۹؎

مولانا نے اسلامی جمعیت طلبہ کی ایک تربیت گاہ میں ایک سوال کے جواب میں تفریق دین اور سیاست کے تصور کی بیخ کنی کرتے ہوئے فرمایا کہ :

"مذہب اور سیاست الگ الگ نہیں ہیں لیکن جو چیز مدتوں سے ذہنوں میں جمی ہوئی ہے وہ بتدریج کے ساتھ ہی صاف ہوگی ہمارے نزدیک وہ سیاست لعنت ہے جو مذہب سے آزاد ہو اور وہ مذہب غیر مطلوب ہے جو انسانی زندگی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والی سیاست کی اصلاح کیے بغیر چھوڑ دیتا ہے اسلام اس دوئی "دین اور سیاست" کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ ۴۰؎

☆ تصور جمہوریت :

مولانا مودودیؒ جمہوریت جمہوری عمل اور جمہوری اداروں پر اسطرح کامل یقین رکھتے تھے کہ انتظامیہ اور مقننہ کی تشکیل میں عام مسلمانوں کی رائے شامل ہونی چاہیے مگر ساتھ وہ کچھ حدود وقیود بھی عائد کرتے ہیں ان کے خیال میں "سارے انتظامی معاملات اور وہ تمام مسائل جن کے متعلق خدا کی شریعت میں کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، مسلمانوں کے اجماع ہی سے طے ہوں گے اور الٰہی قانون جہاں تعبیر ہوگا وہاں کوئی مخصوص طبقہ یا نسل نہیں بلکہ عام مسلمانوں میں سے ہر وہ شخص اس کی تعبیر کا مستحق ہوگا جس نے اجتہاد کی قابلیت بہم پہنچائی ہو اس لحاظ سے یہ ڈیموکریسی ہے لیکن جہاں خدا اور رسول ﷺ کا حکم موجود ہو وہاں مسلمانوں کے کسی امیر کو کسی مقننہ کو کسی مجتہد اور عالم دین کو بلکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو مل کر بھی سرمو ترمیم کرنے کا حق حاصل نہیں"۔ ۴۱؎ مولانا نے جمہوریت پر جو یہ حدود وقیود عائد کی ہیں اس کی ایسی علمی اور عقلی توجیہ پیش کی جو خود انسان کے اپنے مفاد میں ہے۔ ۴۲؎ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو مولانا کا تصور جمہوریت مغرب کے سیکولر (لادینی) تصور جمہوریت سے مختلف اور زیادہ پائیدار و منطقی ہے تاہم ان شرائط کے ساتھ مولانا نے جمہوریت کے مروجہ تصور کو قبول کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا ان کے نزدیک "جمہوریت اس چیز کا نام ہے کہ ایک ملک کے باشندے اپنے

ملک کے معاملات طے کرنے کے مختار ہوں اور ملک کے باشندوں کی جو رائے ہو ملک کا انتظام اس کے مطابق چلایا جائے یہ ہے جمہوریت کا مفہوم"۔ ۴۳؎ بادی النظر میں یہاں ایک قسم کا تناقض محسوس ہوتا ہے کہ ایک طرف تو جمہوریت پر شرائط عائد کی جارہی ہیں دوسری طرف جمہوریت کے مروجہ مفہوم کی تائید کی جارہی ہے، ہمارے نزدیک یہ تناقض نہیں ہے بلکہ جمہوریت، جو اسلامی اجتماعیت کا وصف ہے اس کی صحیح تعبیر وتشریح ہے اصل فرق یہ ہے کہ مولانا نے مغرب کی بے دین جمہوریت کے مقابلے میں اسلامی اجتماعیت کی روح پر مشتمل جمہوریت کا تصور پیش کیا ہے، مولانا نے ایک موقع پر اسلامی اور مغربی جمہوریت کے فرق کو انتہائی مختصر اور جامع الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا کہ :

"مغربی جمہوریت عوام کی حاکمیت پر قائم ہے اسلامی جمہوریت اس بات کا عہد کرتی ہے کہ وہ خدا اور رسول ﷺ سے سرمو انحراف نہیں کرے گی اس جمہوریت میں مشورے سے باہمی امور طے کیے جاتے ہیں اور عامۃ المسلمین جس کو کسی منصب پر چاہتے ہیں مشورے سے قائم کر دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں مشورے سے معزول کر دیتے ہیں یہ اسلامی جمہوریت ہے مغربی اور اسلامی جمہوریت میں جو دوسرا فرق ہے وہ یہ ہے کہ مغربی جمہوریت کے پاس عملی اختیارات ہوتے ہیں کہ وہ جس چیز کو چاہے حرام قرار دے مثلاً شراب مغربی جمہوریت کے فیصلے سے جائز اور حلال ہو سکتی ہے لیکن اسلامی جمہوریت میں خدا نے شراب کو حرام کر دیا ہے تو پوری قوم بھی مل کر حلال نہیں کر سکتی"۔ (تصریحات ص ۲۲۵)

مولانا مودودیؒ نے جمہوریت کا دفاع بھی کیا ہے اور اس پروپیگنڈے کی نفی بھی جو یہ کہتے ہیں پاکستان میں جمہوریت ناکام ہوگئی ہے، مولانا نے جمہوریت کی ناکامی کے پروپیگنڈے کا پاکستان میں دستوری خلا اور فوجی آمریت کے تاریخی تناظر میں تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ ۴۴؎ اور اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ :

"جمہوریت کی ناکامی کے دعوے فقط ایک مکاری ہے جو ایک ملک کے باشندوں کے حقوق پر ڈاکہ مارنے کے لیے کی جاتی ہے"۔ ۴۵؎

مولانا جمہوریت کے ارتقاء و تسلسل کے لیے انتخابی عمل کے جاری رہنے کی ضرورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور بنیادی انسانی حقوق کی آزادی وتحفظ بالخصوص ذرائع ابلاغ جو فی الواقع رائے عامہ کی ذہن سازی کا ذریعہ ہیں کی آزادی پر زور دیتے ہیں مولانا کا کہنا ہے کہ:

"جس طرح قومی خوشحالی کے لیے دو یا تین پنج سالہ منصوبوں کی تکمیل کی شرط ہوتی ہے اسی طرح اگر جمہوریت کی کامیابی کی منزل تک پہنچنے کے لیے ایک قوم کو دو تین آزادانہ انتخابات کے مراحل سے گزرنا پڑے تو اس میں کیا حرج ہے اور اگر فرض کیجیے اس دوران میں ملک کے حالات خراب بھی ہو جائیں تو ملک کے کسی ملازم کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ یکایک ملک پر قابض ہو جائے۔ نوکر ہے تو نوکری کرے ملک کا مالک بننے کا اسے کیا حق حاصل ہے"؟ ۷۶؎

مولانا کے تصور جمہوریت کی دوسری توجیہ یہ پیش کی جاسکتی ہے وہ شخصی یا فوجی آمریت پر کسی سمجھوتے کے قائل نہیں ہیں اور امر واقع ہے کہ انہوں نے فوجی آمریت کو نہ صرف قبول نہیں کیا بلکہ اس کے خلاف عملاً جدوجہد بھی کی ہے۔

☆ انتخابات

مولانا مودودیؒ کے سیاسی افکار کی ایک نمایاں ترین خصوصیت حقائق کا شعور اور ادراک ہے وہ زمینی حقائق سے یکسر منہ موڑ کر غیر فطری اور غیر لچکدار رویہ اختیار نہیں کرتے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے سیاسی افکار میں علمیت کے ساتھ عملیت پسندی بھی بدرجہ اتم موجود ہے چنانچہ پاکستان کے سیاسی نظام کی تبدیلی کا طریقہ آئینی و دستوری طور پر انتخابات ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ یہ بھی سب جانتے ہیں کہ ملک کا انتخابی نظام کن کن کثافتوں سے آلودہ ہے لیکن مولانا مودودیؒ اسی آئینی اور دستوری ڈھانچے میں رہتے ہوئے انتخابات کو ایک حقیقت تسلیم کرتے ہیں۔

چنانچہ انتخابات اور اس کے نقائص اور اس کی اصلاح کے بارے میں فرماتے ہیں کہ"

اس وقت ہم جس مقام پر کھڑے ہیں اسی مقام سے ہمیں آگے چلنا ہوگا اور جس منزل تک ہم جانا چاہتے ہیں" اس کو واضح طور پر نگاہ کے سامنے رکھنا ہوگا تاکہ ہمارا ہر قدم اسی منزل کی طرف اٹھے۔ خواہ ہم پسند کریں یا نہ کریں، نقطہ آغاز تو لامحالہ یہی انتخابات ہوں گے کیونکہ ہمارے ہاں اسی طریقے سے نظام حکومت تبدیل ہو سکتا ہے اور حکمرانوں کو بھی بدلا جا سکتا ہے کوئی دوسرا ذریعہ اس وقت ایسا موجود نہیں ہے۔ جس سے ہم پر امن طریقے سے نظام حکومت بدل سکیں اور

حکومت چلانے والوں کا انتخاب کر سکیں اب ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہمارے ہاں انتخابات میں دھونس، دھوکے، دھاندلی، علاقائی یا مذہبی یا برادری کے تعصبات جھوٹے پروپیگنڈے، گندگی اچھالنے ضمیر خریدنے، جعلی ووٹ بھگتانے اور بے ایمانی سے انتخابی نتائج بدلنے کے غلط طریقے استعمال نہ ہو سکیں۔ انتخابات دیانتدارانہ ہوں، لوگوں کو اپنی آزادمرضی سے اپنے نمائندے منتخب کرنے کا موقع دیا جائے پارٹیاں اور اشخاص جو بھی انتخابات میں کھڑے ہوں وہ معقول طریقے سے لوگوں کے سامنے اپنے اصول مقاصد اور پروگرام پیش کریں اور یہ بات ان کی رائے پر چھوڑ دیں کہ وہ کسے پسند کرتے ہیں۔ ۷۷؎

☆ بنیادی حقوق:

مولانا مودودیؒ نے بنیادی انسانی حقوق کے ارتقاء کی تاریخ پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے انہوں نے انگلستان کے میگنا کارٹا (۱۲۱۵ء) ٹام پین (Tam Paine) کے پمفلٹ "حقوق انسانی" فرانس کے "منشور حقوق انسانی" امریکا کے "دس نکاتی منشور حقوق انسانی" اور اقوام متحدہ کے "عالمی منشور حقوق انسانی" کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا:

اول تو مغربی دنیا میں انسانی حقوق کا تصور دو تین صدیوں سے پہلے اپنی کوئی تاریخ نہیں رکھتا ہے دوسرے اگر آج ان حقوق کا ذکر کیا بھی جارہا ہے تو ان کے پیچھے کوئی (Authority) اور کوئی قوت نافذہ (Sanction) نہیں ہے بلکہ یہ صرف خوشنما خواہشات ہیں۔ ۷۸؎

مولانا نے مغرب کے تصور حقوق انسانی کا موازنہ اسلام کے حقوق انسانی سے کیا اور فرمایا کہ "اسلام نے حقوق انسانی کا جو منشور قرآن میں دیا اور جس کا خلاصہ حضور نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر نشر فرمایا وہ اس سے قدیم تر بھی ہے اور ملت اسلامیہ کے لیے اعتقاد اخلاق اور مذہب کی حیثیت سے واجب الاتباع بھی۔ ۷۹؎

یہاں موقع نہیں ہے کہ مولانا نے قرآن اور اسلام کی رو سے انسانوں کو جو حقوق دیے ہیں ان کا تفصیلی ذکر کیا جائے تاہم عصری دنیا میں جن انسانی حقوق کا چرچا کیا جاتا ہے مولانا مودودیؒ نے اس کی سند اور قوت نافذہ کو اسلام کی روشنی میں پیش کیا ہے جو درج ذیل ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) حرمت جان یا جینے کا حق — (۲) معذوروں اور کمزوروں کا تحفظ

(۳) تحفظ ناموس خواتین — (۴) معاشی تحفظ

(۵) عدل و انصاف — (۶) نیکی میں تعاون اور بدی میں عدم تعاون

(۷) مساوات کا حق — (۸) معصیت سے اجتناب

(۹) ظالم کی اطاعت سے انکار کا حق — (۱۰) سیاسی کار فرمائی میں شرکت کا حق

(۱۱) آزادی کا تحفظ — (۱۲) تحفظ ملکیت

(۱۳) عزت کا تحفظ — (۱۴) نجی زندگی کا تحفظ

(۱۵) ظلم کے خلاف احتجاج کا حق — (۱۶) آزادی اظہار رائے

(۱۷) ضمیر و اعتقاد کی آزادی کا حق — (۱۸) مذہبی دلآزاری سے تحفظ کا حق

(۱۹) آزادی اجتماع کا حق — (۲۰) عمل غیر کی ذمہ داری سے بریت

(۲۱) شبہات پر کاروائی اجتناب — (۲۲) غیر مسلموں کے حقوق

ان عنوانات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں حقوق انسانی کا تصور کس قدر جامع ہے ۔مولانا مودودیؒ نے اسلامی تصور حقوق انسانی کے امتیاز و انفرادیت کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ:

''وہ بنیادی حقوق جو اسلام نے انسانوں کو عطا کیے ہیں ان کا تصور بالکل واضح اور مکمل ہے جو انسانی زندگی کے آغاز ہی سے انسان کو بتا دیے گیے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس وقت بھی دنیا میں انسانی حقوق کا جو اعلان (Declaration of Human Rights) ہوا ہے اسے کسی قسم کی سند اور قوت نافذہ حاصل نہیں ہے بس ایک بلند معیار پیش کر دیا گیا ہے اس معیار کی عملدرآمد کی کوئی قوم پابند نہیں ہے نہ اور کوئی ایسا مؤثر معاہدہ ہے جو ان حقوق کو ساری قوموں سے منوا سکے لیکن مسلمانوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایت کے پابند ہیں ۔خدا اور رسول ﷺ نے بنیادی حقوق کی پوری وضاحت کر دی جو مملکت اسلامی ریاست بنا چاہے گی اسے یہ حقوق لازماً دیے جائیں گے اور دوسری اقوام کو بھی۔''[۵۰]

★ دفاع اور جنگ و صلح کی پالیسی:

مولانا مودودیؒ نے عصری سیاسی امور و مسائل میں دفاع اور جنگ و صلح کے بارے میں بھی واضح موقف پیش کیا ہے اور یہ موقف بھی قرآن کریم اور احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں پیش کیا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ:

''اسلامی حکومت کی پالیسی کی ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ وہ ہر اعتبار سے مضبوط ہو عسکری اعتبار سے بھی اور معاشی اعتبار سے بھی جو عظیم ذمہ داری اسے ادا کرنی ہے وہ دفاعی قوت کی بنیاد کے بغیر ادا نہیں کی جاسکتی ہے...... اس ضمن میں وہ سورہ انفال آیت ۶۰ اور سورہ المائدہ آیت ۳۳ اور التوبہ آیت ۲۹ سے استدلال کرتے ہیں''۔[۵۱]

★ خارجہ پالیسی:

مولانا مودودیؒ نے خارجہ پالیسی کا جو عصری سیاست کا ایک اہم ترین شعبہ ہے، قرآن مجید اور تاریخ اسلامی کی روشنی میں جائزہ لیا اور اس کی بنیاد مسلمانوں کے دین وایمان کو قرار دیا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ:

''بین الاقوامی معاملات میں تمہاری پالیسی بزدلانہ نہیں ہونی چاہیے بلکہ خدا کے بھروسہ پر بہادرانہ اور دلیرانہ ہونی چاہیے ،دشمن جب گفتگو سے مصالحت کی خواہش ظاہر کرے ، بے تکلف اس کے لیے تیار ہو جاؤ اور صلح کے لیے ہاتھ بڑھانے سے اس بناء پر انکار نہ کرو کہ وہ نیک نیتی کے ساتھ صلح نہیں کرنا چاہتا بلکہ غداری کا ارادہ رکھتا ہے ۔کسی کی نیت بہرحال یقینی طور پر معلوم نہیں ہوسکتی ہے اگر وہ واقعی صلح کی نیت رکھتا ہو تو تم خواہ مخواہ اس کی نیت پر شبہ کر کے خون ریزی کو طول کیوں دو اور وہ غدر کی نیت رکھتا ہو تو تمہیں خدا کے بھروسے پر بہادر ہونا چاہیے صلح کے لیے بڑھنے والے ہاتھ کے جواب میں ہاتھ بڑھاؤ تاکہ تمہاری اخلاقی برتری ثابت ہو اور لڑائی کے لیے اٹھنے والے ہاتھ کو اپنے قوت بازو توڑ کر پھینک دو تاکہ کبھی کوئی غدار قوم تمہیں نرم چارہ سمجھنے کی جرات نہ کرے''۔[۵۲]

قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) کے بعد مولانا مودودیؒ تقریباً ۳۲ سال (م ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء) تک حیات رہے ،تین دہائیوں پر مشتمل یہ زمانہ مولانا کی دینی وعلمی سرگرمیوں کے علاوہ عملی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاسی جدوجہد سے بھی عبارت ہے انھوں نے ایک فعال سیاستدان اور قومی رہنما کی حیثیت سے قومی وسیاسی امور ومسائل اور تحاریک میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ہم اس دور میں پاکستان کی قومی سیاست میں مولانا مودودیؒ کے کردار کے چند منتخب واقعات کا جائزہ لیں گے۔

☆ مطالبہ نظام اسلامی:

قیام پاکستان کے بعد مولانا مودودیؒ نے محسوس کیا کہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے لیے جو تحریک تحریک پاکستان برپا کی گئی تھی اور جس کے لیے برعظیم کے مسلمانوں نے بے مثال قربانیاں پیش کی تھیں ان مقاصد سے انحراف کیا جارہا ہے۔ مولانا نے اس کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"ہماری قوم کے قائدین نے جواب قائد ہی نہیں حاکم بھی تھے ملک کے آئندہ نظام کے متعلق جیسی الجھی الجھی اور متضاد باتیں شروع کیں اور قوم جس طرح ابتدائی چند مہینوں میں ٹھنڈے دل سے ان کو سنتی رہی اسے دیکھ کر صاف معلوم ہوگیا کہ اس وقت ایک بے شعور قوم کی باگیں ایک بے فکر گروہ کے ہاتھ میں ہے اس وقت خاموش بیٹھ کر تعمیری کام میں لگے رہنے کا نہیں ہے اب اگر ایک لمحہ بھی ضائع کیا گیا تو بعید نہیں کہ جو لوگ منزل کا تعین کیے بغیر بے سوچے سمجھے چل پڑتے تھے وہ کیا یک کسی غلط نظریے کو بنیاد بنا بیٹھیں اور پھر اس فیصلے کو بدلنا موجودہ حالات کی بہ نسبت ہزار گنی قربانیوں کے بغیر ممکن نہ رہے"۔ ۵۳

اس صورتحال کے تناظر میں مولانا مودودیؒ نے ۱۹۴۸ء میں جماعت اسلامی کے پلیٹ فارم سے اسلامی نظام کے مطالبہ کی ایک منظم تحریک شروع کی یہ تحریک نظریاتی وسیاسی بھی تھی اور عوامی بھی۔ مولانا نے ریڈیو پاکستان سے "اسلامی نظام حیات" کے عنوان سے تقاریر کا سلسلہ شروع کیا۔ یونیورسٹی لاء کالج میں اسلامی قانون کے نفاذ کی علمی تدابیر اور پاکستان کو ایک آئینی اور جمہوری ریاست بنانے کے حوالے سے ٹھوس دلائل پیش کرکے رائے عامہ کو اسلامی نظام کے حق میں ہموار کیا۔ ۵۴

مولانا مودودیؒ اسلامی نظام کے نفاذ کا چار نکاتی مطالبہ ۵۵ لے کر ملک کے گوشے گوشے میں گئے، جلسے کیے اور لوگوں کو بتایا کہ اسلامی ریاست حقیقت میں کس قسم کی ریاست

ہوتی ہے۔ ۵۶

اسلامی نظام کے نفاذ کے مطالبہ نے ملک میں طاری سیاسی جمود میں ایک ہلچل پیدا کردی..... جماعت اسلامی کے ہزاروں کارکن پورے جذبہ وجوش کے ساتھ اس مہم میں سرگرم عمل ہوگئے، ملک کا کوئی شہر اور قصبہ ایسا باقی نہیں رہا جس کی دیواروں پر جلی حروف میں "ہمارا مطالبہ اسلامی انقلاب" لکھا ہوا نہ ہو، اس کے علاوہ "پاکستان کا قانون اسلامی شریعت"..... "حاکمیت صرف خدا کی" وغیرہ دوسرے نعرے لکھے ہوتے۔ ہر موڑ اڈے اور اسٹیشن پر اور ہر ایک مسجد میں اس مطالبے کے پوسٹر لگ گئے، مساجد میں خطیبوں نے اس مطالبے کے حق میں خطبے دیے اور لوگوں نے اس کے حق میں ہاتھ بلند کیے۔ چھوٹے بڑے بے شمار جلسے کرکے جماعت اسلامی نے اس مطالبے کو مہمیز لگائی۔ جدید تعلیم یافتہ طبقے تک اپنے پمفلٹ، کتابچے اور کتابیں پہنچائیں، لاکھوں کی تعداد میں پوسٹ کارڈ چھپوائے گئے جن کے ایک حصے میں چار نکاتی مطالبہ درج ہوتا تھا اس طرح یہ مطالبہ تحریک پاکستان کی صدائے بازگشت محسوس ہونے لگا۔ ۵۷

مولانا مودودیؒ نے اس مطالبہ کو کروڑوں باشندوں کا مطالبہ بنادیا ایک موقع پر مولانا نے اس اقدام کے بارے میں فرمایا تھا کہ:

"یہ مطالبہ جماعت اسلامی کی طرف سے باطل قوتوں کے محاذ پر معمولی سی چوٹ نہیں تھی ایک شاہ ضرب تھی"۔ ۵۸

اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ اور مولانا مودودیؒ کی سیاسی تحریک سے حکمراں طبقہ بوکھلا گیا اس کی نیندیں حرام ہوگئیں، مولانا مودودیؒ کی سرگرمیوں کی خفیہ اداروں کے ذریعے نگرانی شروع کردی گئی اور ان کے خلاف الزام وبہتان تراشی کی ایک جھوٹی پروپیگنڈہ مہم شروع ہوگئی۔ حکومت نے مولانا مودودیؒ پر جہاد کشمیر کو حرام قرار دینے اور تحریک پاکستان کی مخالفت کا بہتان عائد کیا۔ اسی کے ساتھ ریاستی مشینری حرکت میں آئی اور مولانا اور جماعت اسلامی کے خلاف انتقامی کارروائیوں کا آغاز ہوگیا اور ۴، اکتوبر ۱۹۴۸ء کو مولانا مودودیؒ اور ان کے رفقاء کو گرفتار کرکے جیل میں نظر بند کردیا گیا۔

حکومت کا خیال تھا کہ مولانا مودودیؒ کی نظر بندی کے بعد اسلامی نظام کے نفاذ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریک سرد ہوجائے گی لیکن یہ تحریک نہ صرف جاری رہی بلکہ اپنے قائد کی نظر بندی اور استقامت نے اسے نیا عزم وحوصلہ دیا اور عوام کے اشتراک وتعاون سے اس میں مزید شدت پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے ، اب حکومت کے سامنے کوئی اور راستہ نہ تھا کہ وہ مولانا مودودیؒ کے مطالبہ کے آگے سرِ تسلیم کردے چنانچہ ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو دستور ساز اسمبلی نے ''قرارد مقاصد'' کی منظوری دی جس کی رو سے اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہوئے اقرار کیا گیا کہ کوئی ادارہ بھی اس کے بنائے ہوئے قوانین سے انحراف نہیں کرسکتا۔ قرارداد مقاصد کی منظوری پر وزیراعظم لیاقت علی خان نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ :

''یہ ہمارے ملک کی تاریخ میں خود ملک کے قیام کے بعد دوسرا بڑا واقعہ ہے''۔ ۶۰

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کی تحریک میں مولانا مودودیؒ موثر اور فیصلہ کن کردار کی متعدد جہتیں ہیں مثلاً مولانا نے عوام میں سیاسی ونظریاتی بیداری اور جدوجہد کا شعور دیا اور عوامی طاقت کا لوہا منوایا یہ تحریک اس اعتبار سے بھی مثالی تھی کہ اس کی بنیاد پرامن سیاسی جدوجہد پر تھی مگر سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس تحریک میں مولانا کے کردار نے ملک میں اسلام اور شریعت کے خلاف ہر آئینی اور قانونی دروازہ بند کردیا۔

☆ مطالبہ دستورِ اسلامی :

قرارداد مقاصد کی منظوری مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی سمیت ملک کے تمام مکاتبِ فکر کے علماء کرام اور اسلام پسند عوام کی تاریخی کامیابی تھی مولانا نے اسے تحریک اسلامی کے لیے اہم نقطۂ انقلاب قرار دیتے ہوئے کہا کہ :

''اب اس ریاست کی شرعی حیثیت سابقہ غیر مسلم ریاست سے بالکل مختلف ہوچکی ہے، مسلم قوم اور پاکستانی مملکت کا نصب العین واضح صورت میں متعین ہوگیا اور اس نے ایک پختہ آئینی شکل اختیار کرلی، مملکت پاکستان اصولاً ایک اسلامی مملکت میں تبدیل ہوگئی ہے''۔ ۶۱

بیس ماہ کی نظر بندی کے بعد مولانا مودودیؒ اور ان کے رفقاء (میاں طفیل محمد اور مولانا امین احسن اصلاحی) لاہور ہائی کورٹ کے حکم پر رہا ہوئے۔ مولانا نے وطن عزیز میں غلبہ اسلام کے لیے بیس ماہ کی اسیری کیسے کاٹی یہ خود ایک داستان ہے اس کے بارے میں صرف اتنا

کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ایام اسیری کو اپنے اسلاف کی عزیمت واستقامت کی سنت وروایت کے ساتھ اس طرح برداشت کیا کہ اپنے علمی کاموں کو متاثر نہیں ہونے دیا اور خودی وخودداری کا مثالی نمونہ پیش کیا۔

مسلم لیگی قیادت نے عوامی دباؤ پر قرارداد مقاصد تو منظور کرلی لیکن دستور سازی میں وہ مسلسل لیت ولعل سے کام لے رہی تھی دستور سازی کے عمل کو مختلف حیلے بہانوں سے ٹالا جاتا رہا ظاہر ہے قرارداد مقاصد میں صرف چند بنیادی اصول تسلیم کیے گئے دستور کا نعم البدل نہیں ہوسکتے تھے چنانچہ جب ایک بار پھر دستور سازی کے مطالبہ نے زور پکڑا تو ۱۹۴۹ء کو بنیادی اصولوں کی کمیٹی Basic Principles Committe تشکیل دی گئی جس نے تقریباً ۲۱ ماہ بعد (۲۸ ستمبر ۱۹۵۰ء) کو اپنی رپورٹ آئین ساز اسمبلی میں پیش کی ایک تو رپورٹ تاخیر سے پیش کی گئی دوسری کمیٹی کی سفارشات عوامی اور سیاسی جماعتوں کی امنگوں کے مطابق نہیں تھی جس کے باعث رپورٹ پر کڑی تنقید کی گئی پورے ملک میں (مشرقی اور مغربی پاکستان) میں شدید ردعمل ہوا۔ ۶۲

مولانا مودودیؒ نے کمیٹی کی سفارشات کے خلاف لاہور میں تاریخی موچی دروازے میں عظیم الشان جلسہ منعقد کیا جلسہ میں مولانا نے تفصیلی خطاب کیا اس خطاب میں تحریک پاکستان کے مقاصد کے تناظر میں دستور کی اہمیت اور قومی زندگی میں اس کے اثرات، اسلامی حکومت کے اصولوں بیان کیے اور کمیٹی کی سفارشات جیسے انتقالی (Preventive Detention) صدر کے امتیازی حقوق ، سرکاری عہدوں کے امتیازی حقوق، دوایوانی پارلیمنٹ ، ترمیم دستور کی مشکلات اور موجودہ قانون ساز اسمبلی کی ناابلی کا تفصیلی پوسٹ مارٹم کرکے سفارشات کی دھجیاں اڑادیں انہوں نے کہا کہ :

''یہ بے وفائی صرف اس حد تک نہیں ہے کہ پیش کردہ دستوری خاکہ اسلامی خصوصیات سے خالی ہے۔ نہیں، اس منفی پہلو کے ساتھ مثبت پہلو یہ ہے کہ اس خاکے میں متعدد ایسی چیزیں رکھی ہیں جو صریح طور پر اسلام کے خلاف ہیں اور متعدد چور دروازے ایسے رکھے گئے ہیں جن سے شرعی قوانین کے نفاذ کو روکنے کا راستہ نکل سکتا ہے''۔ ۶۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

☆ علماء کے ۲۲ نکات:

پاکستان بھر میں عوام کے شدید ردعمل اور جذبات کا رخ دیکھتے ہوئے حکومت کی درخواست پر کمیٹی کی تجاویز کو التواء میں ڈال کر عوام سے ترامیم اور تجاویز طلب کر لی گئیں اگر بدگمانی نہ ہو تو یہ معاملات کو التواء میں رکھنے کا ریاستی حربہ تھا اور عوام میں اختلافات پیدا کرنے کی سازش تھی۔ حکومت کا خیال تھا کہ اس تجویز سے مختلف الخیال مذہبی طبقے کسی متفقہ دستوری نکات پر متحد نہ ہو سکیں گے اس طرح انہیں اپنے مقاصد میں کامیابی ہو جائے گی لیکن یہاں بھی مولانا مودودیؒ نے حکومتی عزائم کو بھانپ لیا اور تمام مکاتب فکر کے ۳۱ جید علماء کو ۲۱ جنوری ۱۹۵۱ء کو جمع کیا چار روز کے غور و فکر کے بعد علمائے امت کے اس بے مثال اجتماع میں جس کی نظیر مسلمانوں کی ماضی قریب کی تاریخ میں نہیں ملتی بائیس اصول اتفاق رائے سے منظور کر کے ایک طرف دستور سازی میں رکاوٹ کے حربوں و ہتھکنڈوں کو ناکام بنا دیا تو دوسری طرف سیکولر دستور کے امکانی راستے کو بھی بند کر دیا۔ ۹۵

☆ پنجاب کے صوبائی انتخابات (۱۹۵۱ء):

ابھی دستور سازی کے تقاضے اور مراحل مکمل نہیں ہوئے تھے کہ اس کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے پنجاب اسمبلی کے انتخابات کا اعلان کر دیا گیا۔ مولانا مودودیؒ اپنی جماعت کے ساتھ پہلی بار انتخابی سیاست کے میدان میں اترے اور ایک نیا انتخابی کلچر متعارف کرایا انہوں نے جماعت اسلامی کی انتخابی جدوجہد، اس کے مقاصد اور طریق کار کے عنوان سے ایک کتابچہ لکھا، انتخابی منشور پیش کیا اور رابطہ عوام مہم شروع کی گئی۔ جماعت اسلامی کی جانب سے انتخاب میں حصہ لینے کا اعلان ہوتے ہی ریاستی اور غیر ریاستی، تمام ایجنسیز حرکت میں آ گئے اور مولانا مودودیؒ کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان کھڑا کر دیا ان میں علماء بھی شامل تھے اور حکمران بھی بالخصوص ملک کا سیکولر طبقہ اور زرد صحافت کے علمبردار بھی موجود تھے۔ ۹۶ مولانا مودودیؒ نے اس مخالفت کو رجوع ذکر کا عنوان قرار دیتے ہوئے ۱۰ نومبر ۱۹۵۱ء کو کراچی میں جماعت اسلامی کے چار روزہ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

"اس مخالفت نے آپ کی تحریک کے لیے بڑھنے اور ابھرنے کا جو ایک غیر معمولی

موقع فراہم کر دیا ہے اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیے یہ اللہ نے آپ کے رجوع ذکر کا سامان کیا ہے اس سے گھبرایئے نہیں بلکہ اس سے کام لیجیے عرب میں اسی نوعیت کے پروپیگنڈے کا طوفان جب نبی ﷺ کے خلاف اٹھا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوشخبری دی تھی کہ ورفعنا لك ذكرك۔ ہمیں تو شکرگزار ہونا چاہیے کہ ایک طرف ایک گروہ سرگرم سرکار بھیج کر ملا زمین سے ہمارا تعارف اور بڑا وزنی تعارف کرا رہا ہے دوسری طرف تمام گمراہ گروہ اپنے اپنے حلقوں میں ہم کو روشناس کرانے میں لگے ہوئے ہیں"۔ ۹۷

انتخابات میں جماعت اسلامی اپنے خلاف دباؤ، دھونس دھاندلی کے تمام ہتھکنڈے استعمال کرنے کے باوجود ۲ لاکھ ۸ ہزار ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی اگر یہی انتخابات متناسب نمائندگی کی بنیاد پر ہوتے تو جماعت اسلامی کے پنجاب اسمبلی میں تیس سے پچیس نمائندے آ جاتے۔ ۹۸

☆ سیکولر دستور کی منظوری کا منصوبہ:

مولانا مودودیؒ نے فرمایا تھا کہ:

"دستور سے مراد وہ اصول اور ضوابط ہوتے ہیں جن پر کسی مملکت کی بنیاد رکھی جاتی ہے اس میں یہ طے کیا جاتا ہے کہ ریاست کی تشکیل کس طرح کی جائے گی اسکا انتظام کرنے والی حکومت کن ضابطوں اور کن اصولوں کی پابند بنائی جائے گی حکمرانی کے اختیارات کن لوگوں کے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے ان کو کسطرح چنا جائے گا ان کو کیا اختیارات دیئے جائیں گے۔ باشندگان ملک کے کیا حقوق و فرائض ہوں گے۔ دستور میں یہ بھی طے کیا جاتا ہے کہ مملکت کے قوانین کی نوعیت کیا ہوگی وہ خدا کی شریعت پر مبنی ہوں گے یا انسانوں کی بنائی ہوئی شریعت پر .... یہ ایسے معاملات ہیں اگر ان کے طے کرنے میں غفلت اور سہل انگاری برتی جائے تو ایک ریاست اپنے مسلمان باشندوں کی خواہش کے خلاف ایک غیر اسلامی نقشے پر تعمیر ہو سکتی ہے جو حدود اللہ کی پابندی سے آزاد اور خدائی قانون توڑنے کی مجاز ہوگی۔ ۹۹

دستور کا اس قدر واضح اور ادراک و شعور رکھنے والے مولانا مودودیؒ سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ کسی ایسے دستور کی تشکیل کی اجازت دیں گے جو مملکت اور اس کے باشندوں کا قبلہ ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تبدیل کر دے۔ چنانچہ پنجاب کے صوبائی انتخابات کے بعد مولانا مودودیؒ نے علماء کرام کے ۲۲ نکات کو سموتے ہوئے دستور ساز اسمبلی کو ۸ نکاتی مطالبہ پیش کیا حکومت نے ۲۲ نومبر ۱۹۵۴ء کو اسمبلی میں دستوری سفارشات پیش کرنے کا اعلان کیا۔ مولانا مودودیؒ کی قیادت میں کراچی میں ۲۱ نومبر ۱۹۵۴ء کو تاریخی مظاہرہ ہوئے جس میں اسمبلی کو واضح پیغام دیا کہ قوم کسی سیکولر (لادینی) دستور کو قبول نہیں کرے گی یہ پیغام اتنا واضح اور موثر تھا کہ حکومت نے اسمبلی میں لادینی دستور پیش کرنے کا پروگرام ملتوی کر دیا۔[۹]

ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی دستور سازی کی تشکیل میں یہ اسلام پسندوں اور لادین عناصر کے درمیان فیصلہ کن کشمکش تھی جس میں اسلام پسندوں کا پلڑا بھاری رہا۔

☆ "فاتح تختہ دار مودودیؒ":

لادینی دستور کے منظوری کے منصوبہ کی ناکامی حکومت کی بہت بڑی ہزیمت اور پسپائی تھی وہ انتقام کی آگ میں سلگ رہی تھی لیکن براہ راست مولانا مودودیؒ پر ہاتھ ڈالنے کا مطلب یہ تھا کہ اُس کے عزائم آشکار ہو جائیں قوم مولانا مودودیؒ کی حمایت میں اس طرح نہ اُٹھ کھڑی ہو جائے کہ ان کا اقتدار کا سنگھاسن ہی الٹ جائے۔ چنانچہ ایک منصوبہ کے تحت اسلامی دستور کے مطالبہ کو تحلیل کرنے کے لیے قادیانیوں کے لیے ختم نبوت کی تحریک اُٹھائی گئی، مولانا اس کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"میں صاف صاف کہتا ہوں کہ ختم نبوت کی تحریک اٹھوائی اس غرض کے لیے گئی تھی مطالبہ اسلامی نظام کو روکا جائے اس موقع پر ختم نبوت کی تحریک کے لیڈروں کو بجبراً سمجھایا گیا کہ خدا کے لیے ایک مرتبہ دستور پاس ہو جانے دو اس کے بعد تم اس مسئلے کو اُٹھا سکتے ہو، خواجہ ناظم الدین کی رپورٹ تیار ہو چکی تھی، دستور پاس ہونے میں کچھ زیادہ دیر نہ تھی صرف اتنا کام باقی تھا کہ دستور ساز اسمبلی میں بنیادی اصولوں کی رپورٹ پیش ہو اور دستور پاس ہو جائے لیکن عین وقت پر ہنگامہ برپا کر دیا گیا خواجہ ناظم الدین کی رپورٹ دھری کی دھری رہ گئی، لاہور میں مارشل لاء لگا دیا گیا خواجہ ناظم الدین وزارت عظمیٰ سے رخصت کر دیئے گئے اور بیورو کریسی اس طرح ملک کے سینے پر سوار ہوئی کہ آج تک اس سے پیچھا نہ چھڑایا جا سکا"۔[۱]

۲۸ مارچ ۱۹۵۳ کو مولانا مودودیؒ کو "قادیانی مسئلہ" نامی ایک کتابچہ لکھنے کی آڑ میں گرفتار کرلیا گیا گرفتار شدگان میں میاں طفیل محمد اور مولانا امین احسن اصلاحی سمیت دیگر اکابرین جماعت بھی شامل تھے۔ لاہور قلعہ میں ایک فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا اور قادیانی پمفلٹ لکھنے کے "جرم" میں مولانا مودودیؒ کو موت کی سزا سنادی گئی فوجی افسر نے سزا سناتے ہوئے کہا کہ مارشل لاء کے تحت سزاؤں کے خلاف اپیل کا کوئی حق نہیں ہے، آپ چاہیں تو اپنی موت کی سزا کے خلاف سات دن کے اندر مسلح افواج پاکستان کے کمانڈر انچیف سے رحم کی اپیل کر سکتے ہیں"۔[۲]

مولانا مودودیؒ نے انتہائی باوقار لہجے میں فوجی افسر کو جواب دیا کہ:

"مجھے کسی سے کوئی اپیل نہیں کرنی ہے زندگی اور موت کے فیصلے زمین پر نہیں آسمان پر ہوتے ہیں اگر وہاں میری موت کا فیصلہ ہو چکا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے موت سے نہیں بچا سکتی اور اگر وہاں سے میری موت کا فیصلہ نہیں ہوا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی"۔[۳]

مولانا مودودیؒ کو پھانسی کی سزا کے بعد "پھانسی کوٹھری" میں لے جا کر بند کر دیا گیا سزائے موت کے بعد مولانا کے ساتھ جو سلوک ہوا، ایک الگ داستان ہے لیکن مولانا نے دارو رسن کی آزمائش کو استقامت و پامردی کے ساتھ برداشت کر کے ایک بار پھر اسلاف کی عزیمت واستقامت کی یاد تازہ کر دی۔

مولانا مودودیؒ کو موت کی سزا کے خلاف پورے ملک میں احتجاجی مظاہروں، ہڑتالوں، جلسہ و جلوسوں کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا، عالم اسلام ہی نہیں غیر مسلم ممالک کے مسلمانوں نے بھی حکومت سے مولانا کی سزا کی منسوخی کا مطالبہ کیا اس عالمگیر دباؤ پر حکومت نے سزائے موت عمر قید میں بدل دی۔ بعدازاں قانونی اور عدالتی چارہ جوئی کے نتیجے میں ۲۸ مئی ۱۹۵۵ء کو مولانا کو ملتان ڈسٹرکٹ جیل سے رہا کر دیا۔[۴]

☆ دستور ۱۹۵۶ کی منظوری:

قیام پاکستان کے تقریباً ۹ سال بعد ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ کو مولانا مودودیؒ کی قیادت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عوامی جدوجہد اور چودہری محمد علی کی پر خلوص محنت اور لگن کے نتیجے میں دستور ساز اسمبلی نے آئین کی منظوری دی۔ ۱۹۵۶ء کے آئین کا مقصد پاکستان میں اسلامی اصولوں پر مبنی ایک وفاقی اور پارلیمانی حکومت کا قیام تھا۔۵ے

مولانا مودودیؒ نے دستور کی منظوری پر قوم سے ایک مفصل پیغام میں کہا کہ:

"ہم اپنی زندگی کی ابتداء ایک ایسی آزاد قوم کی حیثیت سے کر رہے ہیں جس نے آئینی طور پر خداوند تعالیٰ کی حاکمیت کا اقرار کیا اور اقتدار کو انکی طرف سے ایک مقدس امانت مان کر، استعمال اقتدار کے لیے اس کی مقرر کردہ حدود کی پابندی قبول کی ہے آج دنیا کی تمام قوموں کے درمیان ہم وہ تنہا قوم ہیں جس نے اپنے دستور مملکت کے سرنامے پر یہ اعلان ثبت کیا ہے کہ ہم جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور اجتماعی انصاف کے اس تصور پر عمل کریں گے جو اسلام نے ہم کو دیا ہے"۔۶ے

☆ آمریت کے خلاف جدوجہد:

مولانا مودودیؒ کی وطن عزیز کے لیے سیاسی ونظریاتی خدمات اور کردار کا احاطہ کرنے کے لیے ایک دفتر درکار ہے ہم آخر میں مولانا مودودیؒ کی فوجی آمریت کے خلاف جد جہد کا اختصار سے جائزہ لیں گے۔ ۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو جنرل محمد ایوب خان نے فیروز خان نون کو برطرف کر کے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا جس رات مارشل لاء نافذ کیا گیا مولانا مودودیؒ لاہور میں ایک جلسۂ عام میں خطاب کے دوران فرما رہے تھے کہ:

"آج حالت اتنی خراب ہو چکی ہے کہ کچھ نہیں کہہ جاسکتا کہ دوسرے لمحے کیا ہو جائے آپ رات کو اس حالت میں سوئیں کہ ملک پر آئین کی حکومت قائم ہے مگر جب صبح اٹھیں تو معلوم ہو بساط آئین لپیٹی جا چکی ہے اور اقتدار پر کوئی شخص واحد مسلط ہے"۔۷ے

مولانا مودودیؒ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اس قدر جلد حقیقت بن جائیں گے اس کا کسی کو چند گھنٹے قبل تک گمان بھی نہ تھا لیکن جو لوگ مولانا کی بصیرت سے واقف تھے ان کے لیئے اس میں حیرانگی کا کوئی پہلو نہ تھا۔ یہاں ضمناً عرض ہے کہ مولانا مودودیؒ نے قومی اور بین الاقوامی معاملات پر ایسی متعدد پیش گوئیاں کی ہیں جو بعد میں حقیقت بن کر سامنے آئیں

جسے یقیناً مولانا کی دینی علمی اور سیاسی بصیرت (Vision) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

جنرل محمد ایوب خان برسر اقتدار آئے تو انھوں نے بادشاہوں کی طرح فرامین جاری کرنا شروع کر دیئے۔ مارچ ۱۹۶۱ء میں عائلی قوانین نافذ کیے جو مسلمانوں کے پرسنل لاء میں کھلی مداخلت تھی۔ علماء کرام نے اس کا نوٹس لیا اور حکومت کے اس اقدام کے خلاف لاہور میں تمام مکاتب فکر کے علماء کا اجتماع ہوا جس میں مولانا مودودیؒ بھی شریک ہوئے علماء نے ایک مشترکہ بیان جاری کرتے ہوئے اس پر تنقید کی اور مثبت تجاویز بھی دیں لیکن حکومت سے عائلی قوانین پر تنقید ہضم نہ ہو سکی جماعت اسلامی کے سیکریٹری جنرل محترم میاں طفیل محمد کو اکتوبر ۱۹۶۱ میں گرفتار کر لیا وہ تقریباً نو ماہ تک نظر بند رہے۔

حکومت نے اپنے پورے دور میں مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی کی سرگرمیوں کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کیں۔ بیرون ملک دعوتی دوروں کو روکا، ان کی سرگرمیوں کی خفیہ نگرانی کرائی گئی۔

جنرل ایوب خان کو اپنے آمرانہ اقتدار کے خلاف عوامی ناپسندیدگی کا اندازہ ہو رہا تھا اس لیے دستور کو معطل کرنے کے بعد دستور کی بحالی کے لیے ایک دستوری کمیشن قائم کیا دستوری کمیشن نے ایک سوالنامے کے ذریعے عوام وخواص سے آراء وتجاویز طلب کی لاہور میں مفتی محمد حسین کے ہاں جید علماء کرام کا اجلاس ہو جس نے کمیشن کے سوالنامے کا جواب دے لیکن حکومت نے اس پر اجلاس میں علماء کی سرزنش کی، مولانا مودودیؒ کو پنجاب یونیورسٹی میں طلبا نے دستوری کمیشن پر مذاکرے میں شرکت اور خطاب کی دعوت دی جسے حکومت نے پولیس کے ذریعے درہم برہم کرا دیا۔

☆ ۱۹۶۲ کے دستور کی مخالفت:

جنرل ایوب خان نے ملک کو تقریباً چار سال تک بغیر دستور کے چلایا اور یکم مارچ ۱۹۶۲ء کو ایک نیا دستور دیا۔۸ے

یہ دستور جمہوری روح کے منافی تھا مولانا مودودیؒ وہ واحد سیاستدان تھے جنھوں نے پوری جرأت اور بے باکی سے اس دستور پر حکومت کی گرفت کی اس دستور پر انہوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک مفصل تنقید لکھی روزنامہ سول ملٹری گزٹ لاہور نے مولانا مودودیؒ کے جاری کردہ بیان کی سرخی ان الفاظ میں لگائی کہ:

"یہ دستور جمہوری ہے نہ اسلامی"۷۹

۱۹۶۲ء میں جنرل ایوب خان نے سیاسی جماعتوں کی سرگرمیوں پر سے پابندی اٹھائی تو جماعت اسلامی دوبارہ پوری طرح فعال ہوگئی۔

☆ ریاستی دہشت گردی:

جماعت اسلامی کی مرکزی شوریٰ نے اکتوبر ۱۹۶۳ء میں کل پاکستان اجتماع عام کا اعلان کیا تو ایک طرف کارکنان جماعت میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تو دوسری طرف حکومت کی نیندیں اڑ گئیں حکومت نے اجتماع عام کو ناکام بنانے کے لیے اوچھے ریاستی ہتھکنڈے کا استعمال کرنا شروع کردیے اجتماع روکنے کے لیے کیا کیا ہتھکنڈے استعمال نہیں کیے گئے۔ یہاں تک کہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو لاؤڈ سپیکر کی پابندی کے باوجود اجتماع میں مولانا مودودیؒ کی تقریر جاری تھی کہ پولیس کی سرپرستی میں غنڈہ عناصر نے اجتماع گاہ پر فائرنگ اور ہلہ بول دیا یہ غنڈہ عناصر ایوب خان زندہ باد کے نعرے بلند کررہے تھے۔ فائرنگ کے نتیجے میں ایک کارکن اللہ بخش شہید ہوگئے، گولیوں کی بوچھاڑ جاری تھی شرکاء نے مولانا کے گرد حصار قائم کردیا چودھری غلام محمد صاحب مرحوم نے ازراہ احتیاط کہا کہ:

"مولانا آپ بیٹھ جائیں، مناسب یہی ہے:

مولانا نے اس موقع پر یہ تاریخی جواب دیا کہ:

"چوہدری صاحب! میں بیٹھ گیا تو پھر اور کون کھڑا ہوگا"۔ ۸۰

☆ بنیادی حقوق کی بحالی

مولانا نے تمام تر ریاستی دہشت گردی کے باوجود ناموس دستور کا علم ایک بار پھر بلند کردیا اور ۶۲ء کے دستور کی غیر اسلامی اور غیر جمہوری دفعات کے خاتمے کے خلاف تحریک شروع کی جس میں مطالبہ کیا گیا کہ ریاست کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا جائے، بنیادی حقوق بحال کیے جائیں اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات کرائے جائیں .... مولانا مودودیؒ

اور جماعت اسلامی کی بحالیٔ دستور و جمہوریت کی یہ تحریک حکمراں کو سخت ناگوار گزری جنوری ۱۹۶۴ء میں ایک بار پھر مولانا مودودیؒ کو گرفتار کرکے جیل میں نظر بند اور جماعت اسلامی کو غیر قانونی قرار دیدیا گیا ملک بھر میں جماعت اسلامی کے دفاتر سیل کرکے اثاثے ضبط کرلیے گئے اور ترجمان القرآن کی اشاعت پر چھ ماہ کی پابندی عائد کردی گئی۔ جولائی ۱۹۶۴ء کو مشرقی پاکستان ہائی کورٹ نے پھر سپریم کورٹ آف پاکستان نے ستمبر ۱۹۶۴ء میں جماعت اسلامی پر پابندی کو آئینی حقوق سے متصادم قرار دیتے ہوئے بحال کردیا اور اکتوبر ۱۹۶۴ء کو مغربی پاکستان ہائی کورٹ نے مولانا مودودیؒ اور دیگر اکابرین جماعت کی نظر بندی کی سماعت کی اور ۹ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو رہائی کا حکم دیدیا۔ ۸۱

☆ صدارتی انتخابات:

۳ جنوری ۱۹۶۵ء کو صدارتی انتخابات ہوئے ایوب خان کے مقابلہ میں بابائے قوم قائداعظم کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح تھیں مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی نے صدارتی انتخاب میں محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کا فیصلہ کیا۔

☆ جہاد پاکستان:

۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تو مولانا مودودیؒ دفاع وطن کے لیے قوم کی رہنمائی کے لیے میدان عمل میں آگئے اور انہوں نے اپنے ایک مفصل بیان میں کہا کہ:

"پاکستان کو دارالاسلام کی حیثیت حاصل ہے اور اس کا دفاع بلاشبہ جہاد ہے اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ خون کا آخری قطرہ بہہ جانے تک پاکستان کی ایک انچ زمین پر بھی دشمن کے قدم نہ بڑھنے دے"۔ ۸۳

☆ آمریت کے خلاف تحریک:

ایوبی آمریت کے خلاف عوامی جذبات میں شدت آتی جارہی تھی ۱۹۶۹ء کے آغاز سے آمریت کے خلاف شدت میں اضافہ ہوگیا، ۲۷ جنوری ۱۹۶۹ء کو حزب اختلاف کی پرشکوہ احتجاجی ریلی نے ایوبی آمریت کے کس بل ڈھیلے کردیے اور وہ مذاکرات کی میز سجانے پر مجبور ہوگئے۔ مذاکرات ہوئے اس میں مولانا مودودیؒ نے بھی شرکت کی اور حزب اختلاف کے متفقہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطالبہ حق بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخاب اور وفاقی پارلیمانی نظام کی بحالی پر زور دیا مولانا نے ایوب خان کے ساتھ مذاکرات کے دوران ایک حقیقت پسندانہ اور اصولی تقریر کی۔ ایوب خان نے دونوں مطالبات تسلیم کر لیے لیکن بعض طالع آزماؤں نے ہوس اقتدار میں نفرت کی ایک ایسی خلیج پیدا کر دی جس سے لسانی علاقائی عصبیت کی آگ کو اس قدر بھڑکایا کہ پورا ملک جل اٹھا۔ ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو ایوب خان صدارت نے استعفیٰ دے کر اقتدار کمانڈر انچیف جنرل آغا محمد یحییٰ خان کے حوالے کر دیا۔[۸۴]

☆ مشرقی پاکستان کے مستقبل کی پیش گوئی:

ایوب خان کے استعفیٰ کے بعد سیاسی سرگرمیوں کا آغاز ہوا تو دس سالہ آمریت کا عفریت بدامنی، تشدد، انتہاپسندی اور علیحدگی کے اژدھے کی صورت میں سامنے آگیا ہر طرف جلاؤ گھیراؤ بالخصوص مشرقی پاکستان بارود کا ڈھیر بنا ہوا تھا مولانا مودودیؒ نے صحت کی خرابی کے باوجود مشرقی پاکستان میں عصبیت کی آگ پر پانی ڈالنے کے لیے سفر کا فیصلہ کیا اس سفر کی سنگینی کا مولانا کو پورا ادراک تھا اسی لیے فرمایا کہ:

"مشرقی پاکستان کے حالات ایسے ہیں کہ میں جان پر کھیل کر وہاں جا رہا ہوں"

۱۸ جنوری ۱۹۷۰ء کو ڈھاکہ کے پلٹن میدان میں مولانا مودودیؒ کی صدارت میں ہونے والے جلسے کو غنڈوں نے حملہ کر کے تہس نہس کر دیا انہوں نے جلسے میں غنڈہ گردی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا اور کیا سچ کہا تھا کہ:

"اگر حالات اسی ڈگر پر چلتے رہے تو اندیشہ ہے کہ ہر علاقے سے متعصب لوگ کامیاب نہ ہو جائیں جب یہ انتہاپسند لوگ کامیاب ہو گئے تو یہ پاکستان کو جوڑنے کے لیے نہیں ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے اٹھیں گے"۔[۸۵]

پاکستان بچانے اور اس کی وحدت کو قائم رکھنے کے لیے مولانا مودودیؒ بہ نفس نفیس میدان میں اترے اور پاکستان دشمن عناصر کو پوری جرات کے ساتھ للکارا لیکن ارباب حل وعقد کی آنکھوں پر پٹی اور کانوں میں روئی ٹھنسی ہوئی تھی انہوں نے اپنا فرض ادا نہیں کیا جس کا انجام پاکستان کے دولخت ہونے کی صورت میں سامنے آیا اور مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا یہ

پاکستان کے جغرافیہ اور نظریہ پر ایسی ضرب شدید تھی جس کا زخم شاید کبھی نہ بھر سکے۔

☆ سوشلزم کے خلاف فکری اور قلمی جہاد

لادین عناصر دستوری محاذ پر اسلام پسند قیادت اور جماعتوں کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہے تھے انہوں نے سوشلزم کے فلسفہ معیشت کے ذریعے قوم کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ان کا اصل ہدف اسلام اور جماعت اسلامی تھی، مولانا مودودیؒ سرخ سامراج کا مقابلہ کرنے کے لیے خود میدان میں نکلے ۳۱ مئی ۱۹۷۰ء کو یوم شوکت اسلام منانے کا اعلان کیا پورا ملک شوکت اسلام کے جلسہ جلوسوں اور اسلام کے نعروں سے گونج اٹھا لاہور میں شوکت اسلام کے جلوس کی قیادت مولانا مودودیؒ نے کی گول باغ میں جلوس کے اختتام پر مولانا مودودیؒ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"پاکستان میں کوئی طاقت اسلام کے سوا کسی اور نظریے کو نافذ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتی ہے"۔

☆ علالت اور امارت سے سبکدوشی:

مولانا مودودیؒ نے اپنی پیرانہ سالی اور علالت کے باعث جماعت اسلامی کی امارت سے ۱۹۷۲ء میں سبکدوشی کا اعلان کیا تو وہ اپنے مشن پاکستان میں نفاذ اسلام اور اقامت دین کی تحریک، جماعت اسلامی کو محفوظ اور مضبوط ہاتھوں میں دے کر مطمئن تھے انہوں نے اپنی عمر کے ۷۶ برس کی آخری سانس تک اپنے مسلمان اور پاکستانی ہونے پر فخر کیا ملت اسلامیہ کا یہ بطل جلیل ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء اس دار فانی سے کوچ کر کے اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔

☆ اختتامیہ:

برعظیم پاک و ہند میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا وجود مشیت ایزدی کا مظہر ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں اس خطے میں اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی اور خدمت کے لیے چنا، ان کی سیرت و شخصیت فکر و فلسفہ اور علم و عمل نے ایسے بے شمار چراغ روشن کیے جس کی ضیاپاشی سے آج بھی ایک عالم منور ہے۔ اسلام، پاکستان اور باشندگان پاکستان کے لیے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی گرانقدر خدمات کی روشنی میں ہم انہیں بجا طور پر قومی رہنما (National

© rasailojaraid.com